سلسلۂ دار المصنّفین

سیرت عمرؓ بن عبد العزیز

یعنی

اُموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے مفصّل
سوانحِ زندگی اور ان کے عہدِ حکومت کے مجددانہ کارنامے

مؤلفہ

مولانا عبد السلام ندوی

NATIONAL BOOK FOUNDATION

نیشنل بُک فاؤنڈیشن
اسلام آباد
لاہور - راولپنڈی - ملتان - کراچی - سکھر - پشاور - کوئٹہ

Added
2978 9924
ع 961 ع
۲۱۸۰۰

جملہ حقوق محفوظ

یہ کتاب نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان نے
دارالمصنفین اعظم گڑھ سے پاکستان کے لئے
جملہ حقوق حاصل کر کے شائع کی۔

Replaced by
A-3680

طبع دوم : 1992ء - ایک ہزار
کوڈ نمبر: ڈی ایم آر پی / آئی 197 / 1000
این بی ایف، اشاعت اول
مطبع : منزہ پرنٹنگ کارپوریشن، اسلام آباد

ISBN
969 - 37 - 0131 - 3

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
فقرا اور اپاہج لوگوں کے وظائف	۱۶۰ - ۱۶۱	قرآن مجید، تفسیر،	۱۶۴-۱۶۵
عمارات، ڈاک کا انتظام	۱۶۱ - ۱۶۲	حدیث ، اصول لغت ،	"
دیوان الخاتم، باضابطہ محکمے	۱۶۲ - ۱۶۳	تاریخ، یونانی علوم وفنون کے تراجم	۱۶۶-۱۶۸
ملکی صیغوں میں عربی زبان کا رواج	۱۶۳ - ۱۶۴	تدبیر و سیاست ، دفع مطاعن	۱۶۸ - ۱۷۱
ٹکسال، صنعت پارچہ بافی کی ترقی	"	خاتمہ	۱۷۲-۱۷۴
علوم وفنون کی ترویج و اشاعت	"	سلطنت بنو امیہ کا زوال	"

Marfat.com

فہرست مضامین

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تمہید طبع اوّل	د - و	**ازواج واولاد**	۴۶ - ۴۹
دیباچہ	ز - ی	حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی بیبیاں	"
خلافت بنو امیہ، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ	"	اولاد ذکور واناث، عبدالملک،	"
کا دور حکومت، بنو امیہ کا رقبہ حکومت	"	عبدالعزیز، عبداللہ	"
نسب اور خاندان	۱ - ۷	**اخلاق وعادات**	۵۰ - ۸۱
ولادت، تعلیم وتربیت، شادی،	"	حسن خلق، شیریں کلامی، تواضع و	"
مدینہ منورہ کی گورنری، تعمیر مسجد نبویؐ،	۷ - ۸	مساوات، حلم، صبر، تورع ودیانت،	"
فوارہ، تعمیر چاہ وہمواری راہ، امیر الحجاج	۹ - ۱۰	جرأت وآزادی، وقار، رحم دلی،	۶۰ - ۶۲
کی خدمت انجام دینا، معزولی۔	"	شرم وحیا، نصیحت پذیری، زہد و	۶۳ - ۶۴
خلافت		تقشف، لباس، غذا، مکان، اہل و	۶۷ - ۷۳
حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت،	۱۲ - ۱۷	عیال، تقویٰ وتورع، توکل،	"
اموال مغصوبہ کی واپسی، باغ فدک کا	۱۷ - ۲۲	پاس خاندان، اعزہ سے محبت،	۷۴ - ۷۸
معاملہ، بنو امیہ پر اموال مغصوبہ کی واپسی	۲۲ - ۲۷	دشمنوں کے ساتھ رفق وملاطفت	"
کا اثر، غزوات وفتوحات،	۲۸ - ۳۱	اہل حاجت کی امداد، عیادت وعزاداری	"
عمال کی معزولی، وفات، مرثیہ جریر	۳۲ - ۴۵	ہر دلعزیزی، علماء کی قدردانی	"

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
شاعری وخطابت، ارباب صحبت	۷۹ - ۸۰	یونانی تصنیفات کی اشاعت	〃
اعمال وعبادات	۸۲ - ۹۲	رفاہ عام کے کام	〃
عبادت شبانہ، نماز، زکوٰۃ،	۸۲ - ۸۳	**عمارات**	۱۲۶-۱۲۷
تلاوت، مناجات و دعا،	۸۳ - ۸۶	مساجد، تجدید انصاب حرم۔	〃
خشیت الٰہی، خوفِ قیامت،	〃	قصرِ شاہی، شہروں کی آبادی	〃
خوفِ عذابِ الٰہی، محبتِ رسول،	۸۸ - ۹۱	**سیاست وحکومت**	۱۲۸ - ۱۵۵
محبت اہل بیت، محبت مدینہ	〃	فرائضِ خلافت، خصوصیاتِ حکومت	۱۲۸-۱۳۲
کارنامہائے زندگی	۹۳ - ۱۱۹	عمال، عمال کے لیے ہدایات	۱۳۲-۱۳۹
تجدید و اصلاح، خلافت،	۹۳ - ۹۴	ذمیوں کے حقوق، مراعات کا حکم	۱۴۰-۴۳
اصلاحاتِ مذہب، بیت المال،	۹۶ - ۹۹	اقامت عدل، بیگاری کا انسداد	۱۴۳-۴۷
محاصل وجیل خانہ،	۱۰۱ - ۱۰۵	رعایا کی خوشحالی، غرباء کی امداد	۱۴۷-۵۴
اشاعت اسلام، احیائے شریعت	۱۱۰ - ۱۱۲	نظام حکومت کا انقلاب۔	۱۵۴-۵۵
عقائد، نماز، زکوٰۃ وصدقہ،	۱۱۵ - ۱۱۸	**مآثرِ بنی امیہ**	۱۵۶-۷۴
لہو ونیاحہ کی ممانعت، انسداد شراب نوشی	〃	قومی عصبیت کا تحفظ،	۱۵۶-۵۷
قومی خصوصیات کا خیال۔	〃	کثرتِ فتوحات، انتظامات ملکی	۱۵۷-۵۹
تدوین حدیث	۱۲۰ - ۱۲۵	زمین کی پیمائش، زرعی نہریں،	〃
تعلیم مذہبی کی اشاعت	۱۲۱ - ۱۲۴	پانی پینے کے چشمے، راستوں کی ہمواری	۱۵۹-۰
فن مغازی اور مناقب صحابہ کی تعلیم و	〃	شفاخانے، مہمان خانے	〃
اشاعت	〃		

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

تمہید طبع اوّل

دنیا میں جن لوگوں نے انقلابات پیدا کئے ہیں اُن کا روشن ترین کارنامہ صرف یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انھوں نے دنیا کی ترقی کا ایک قدم اور آگے بڑھا دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ہم فرماں روایانِ اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے پُر عظمت کارناموں میں ہماری نگاہ صرف اس پر پڑتی ہے کہ ان کے عہد سے پہلے دنیا کا قدم کس نقطہ پر تھا اور انھوں نے اس کو کس مرکز پر پہنچا دیا۔

چنانچہ مولانا شبلی مرحوم نے رائل ہیروز آف اسلام کا سلسلہ شروع کیا تو اسی خصوصیت کو پیشِ نظر رکھ کر انھوں نے مختلف سلسلے کے حسبِ ذیل فرمانرواؤں کا انتخاب کیا۔

خلفائے راشدین رض	حضرت عمر رضی اللہ عنہ
بنو امیہ	ولید بن عبد الملک
عباسیہ	مامون الرشید
بنو امیہ اندلس	عبد الرحمٰن ناصر
بنو حمدان	سیف الدولہ
سلجوقیہ	ملک شاہ
نوریہ	نور الدین

ایوبیہ	سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس
موحدینِ اندلس	یعقوب بن یوسف
تمرکانِ دوم	سلیمانِ اعظم

لیکن اس باب میں اسلام کی تاریخ تمام دنیا کی تاریخوں سے مختلف ہے۔ اسلام کا روشن ترین زمانہ صرف وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا اور خلافتِ راشدہ تک پہنچ کر ختم ہوگیا۔ اس لیے خلفائے اسلام کا قابلِ فخر کارنامہ یہ نہیں ہے کہ انھوں نے دنیا کو اس نقطۂ نورانی سے آگے بڑھایا بلکہ ان کا حقیقی شرف یہ ہے کہ انھوں نے زمانہ کو اس قدر پیچھے ہٹایا کہ وہ عہدِ صحابہؓ سے جاکر مل گیا۔

خلافتِ راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دورِ حکومت شروع ہوا جس میں بڑے بڑے فرمانروا گزرے عبدالملک نے ۲۱ سال تک حکومت کی اور اس سلطنت کی بنیاد کو مستحکم کردیا۔ ولید نے اس کثرت سے فتوحات کیں اور اس کثرت سے عمارتیں تعمیر کرائیں کہ تمام دنیا اسلامی تمدن کا تماشا گاہ بن گئی۔ لیکن ان میں صرف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک ایسے شخص ہیں جنھوں نے زمانہ کی باگ پھیر کر اس کو عہدِ صحابہؓ سے ملا دیا۔ اس لیے محدثین نے ان کو مجددانِ اسلام میں شمار کیا ہے اور ان کے فضائل و مناقب میں کتابیں لکھی ہیں۔ محدث ابنِ جوزی نے ان کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ عبداللہ بن عبدالحکم نے جو مصر کے سب سے بڑے محدث اور امام شافعیؒ کے دوست ہیں، ان کے فضائل میں ایک کتاب تصنیف کی ہے[1] اور عبدالملک بن حبیب بن سلیمان نے ایک کتاب میں ان کے فضائل جمع کیے ہیں[2]۔

ان کے علاوہ اسلام کی جو سیاسی تاریخیں لکھی گئیں ان میں بھی ان کے دورِ حکومت کی اس خصوصیت کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے اور اسی بناء پر ہم نے ولید کو چھوڑ کر ان کو اس

---

[1] الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب ص ۱۳۴ ۔ [2] ایضاً ص ۱۵۵۔

Marfat.com

خاندان کا ہیرو قرار دیا ہے۔

محدثین نے ان کے حالات میں جو کتابیں لکھی تھیں ان میں ابن عبد الحکم اور عبد الملک کی کتابیں ناپید ہیں، البتہ محدث ابن جوزی کی کتاب کو یورپ اور مصر دونوں نے چھاپ کر شائع کر دیا ہے اور طبقات ابن سعد کی تمام جلدیں بھی ہمارے سامنے آگئی ہیں لیکن اردو میں جن لوگوں نے ان کے حالات لکھے ہیں انھوں نے صرف سیاسی تاریخوں کو پیش نظر رکھا ہے اور ان دونوں کتابوں سے مطلق فائدہ نہیں اٹھایا ہے، حالانکہ ان کے اخلاق و عادات، فضائل و مناقب اور مجددانہ کارناموں کا اصلی ذخیرہ ان ہی کتابوں میں مل سکتا ہے اس لئے ہم نے اور کتابوں کے ساتھ ان دونوں کتابوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنی تصنیف کا ماخذ قرار دیا ہے۔

ہماری زبان میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی متعدد سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان مرقعوں میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی تصویر کے اصلی خط و خال نمایاں نہیں ہوسکتے اس لیے ان کے شایانِ شان ایک دوسری تصنیف کی ضرورت تھی اور اسی ضرورت نے مجھ کو اس کتاب کے لکھنے پر مجبور کیا۔ وما توفیقی علیہ الا باللہ۔

عبد السلام ندوی
دار المصنفین اعظم گڑھ

Marfat.com

Marfat.com

دیباچہ

خلافتِ بنوامیّہ

اسلام سے پہلے تمام عرب کی طاقت کا مرکز قریش کا قبیلہ تھا لیکن قریش میں بھی مختلف ٹکڑے ہوگئے تھے جن میں بنو ہاشم اور بنوامیہ سب میں ممتاز تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اگرچہ بنو ہاشم علانیہ اپنے حریف بنوامیہ سے ممتاز ہوگئے لیکن زمانۂ جاہلیت میں جمعیت اور ملکی اقتدار کے لحاظ سے بنوامیّہ کا پلّہ بھاری تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد جب خلافت کا سوال پیدا ہوا تو دعویٰ خلافت میں صرف بنو ہاشم نے حصّہ لیا۔ بنوامیّہ اس سے بالکل الگ رہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد اگرچہ حضرت عثمانؓ جو اموی تھے خلیفہ مقرر ہوگئے، لیکن یہ خود خاندانِ بنوامیّہ کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ نہ تھا بلکہ خود حضرت عمرؓ نے جن چھؔ اشخاص کو خلافت کے لیے انتخاب کیا تھا ان میں وہ بھی داخل تھے اور جب اس نزاع کو طے کرنے کے لیے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ ثالث مقرر ہوتے تو انھوں نے حضرت عثمانؓ ہی کا انتخاب کیا اور اس فیصلہ پر خود حضرت علیؓ بھی راضی ہوگئے۔

خاندانِ بنوامیّہ میں حضرت امیر معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خود اپنی قوتِ بازو سے شام میں مستقل حکومت قائم کی اور اخیر میں اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا اور تمام عرب سے اس کے ہاتھ پر بیعت لی۔ اس لیے خاندان بنوامیہ کی سیاسی تاریخ درحقیقت امیر معاویہؓ کے عہد سے شروع ہوتی ہے لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے جو حکومت قائم کی تھی اس نے بہت کم عمر پائی۔ یزید ان کا

Marfat.com

جانشین ہوا تھا لیکن اس کے وفات کے بعد ہی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے مستقل طور پر دعویٰ خلافت کیا اور شام و مصر کے سوا تمام دنیائے اسلام ان کے قبضۂ اقتدار میں آگئی۔ شام و مصر کے لوگوں نے معاویہ بن یزید کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی لیکن چند ہی دنوں کے بعد معاویہ کا انتقال ہوگیا اور اس نے اپنی نیک نفسی سے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا۔ اب یہ دونوں ملک بھی گویا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوگئے اور بنوامیہ کا نام گویا صفحۂ ہستی سے مٹ گیا کہ دفعتہً بنوامیہ کی سیاسی تاریخ کا دوسرا دور شروع ہوا جو پہلے سے زیادہ پرعظمت، زیادہ وسیع اور زیادہ شاندار تھا۔ یعنی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہی کے زمانے میں خاندانِ بنوامیہ میں سے مروانی خاندان نے خلافت کے لیے دوبارہ کوشش کی اور مروان بن حکم نے بغاوت کرکے شام و مصر پر قبضہ کرلیا لیکن اس نے اس قدر کم زمانہ پایا کہ اس کے عہد میں اس خاندان کو سیاسی استقلال حاصل نہ ہوسکا۔ مروان کے بعد اس کے بیٹے عبدالملک نے مروانی حکومت کا اصلی ڈھانچہ قائم کیا اور مستقل ۲۱ برس تک سلطنت کی جس میں سات آٹھ سال اگرچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ خانہ جنگی میں صرف ہوئے لیکن ۱۳-۱۴ سال تک اس نے نہایت اطمینان کے ساتھ تمام دنیائے اسلام پر تنہا حکومت کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ جن کے حالات ہم لکھ رہے ہیں اسی عبدالملک کے بھتیجے تھے اگرچہ ان کے زمانہ تک خلافت کی جو ترتیب چلی آرہی تھی اس کے لحاظ سے وہ اس کے مستحق نہ تھے تاہم انھوں نے اپنے طرزِ عمل سے اپنا استحقاق قائم کرلیا۔ مروج الذہب مسعودی میں ہے:

اخذ عمر بن عبدالعزیز الخلافۃ بغیر حقھا ولا باالاستحقاق ثم استحقھا بالعدل حین اخذھا	حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ بغیر استحقاق کے خلیفہ مقرر ہوئے لیکن خلیفہ ہونے کے بعد عدل و انصاف کی بنا پر اس کے مستحق ہوگئے۔

Marfat.com

تاریخِ اسلام میں ان کا دورِ حکومت اس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز ہے کہ انھوں نے خلافتِ راشدہ کے نظم و نسق کو دوبارہ قائم کیا اور ان کے عہد میں تمام دنیا کو ایک بار پھر عہدِ صحابہ کی خصوصیات نظر آگئیں۔

وتوسطھم عمر بن عبد العزیز فترع الی طریقۃ الخلفاء الاربعۃ والصحابۃ جھد 8۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مروانی سلسلہ کی درمیانی کڑی تھے۔ انھوں نے اپنی تمام تر توجہ خلفائے راشدین اور صحابہ کے طریقے کی طرف مبذول کی۔

بنو امیہ کا رقبہ حکومت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جس ملک پر حکومت کی وہ خوش قسمتی سے نہایت وسیع ملک تھا، اس لیے انھوں نے جس کشادہ دلی کے ساتھ ملک کو ہر قسم کی خیر و برکت سے لبریز کرنا چاہا۔ اسی وسعت کے ساتھ ان کے اثر کو پھیلنے کا موقع ملا۔

تاریخِ اسلام میں بنو امیہ اور عباسیہ باہم حریفِ مقابل ہیں لیکن بنو امیہ کو نہ صرف عباسیہ پر بلکہ تمام فرمانروایانِ اسلام پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے اسلامی حدودِ حکومت کو اپنے زورِ بازو سے اس قدر وسیع کر دیا کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ خلفائے راشدین کے زمانہ تک صرف عرب، شام، مصر اور ایران اسلام کے حدود میں داخل تھے لیکن خلفائے بنو امیہ نے اپنے دورِ حکومت میں اس نقطہ کو دائرہ اور اس حباب کو دریا بنا دیا۔ انھوں نے ایک طرف تو افریقہ اور مغرب کے تمام شہروں کو فتح کر کے اندلس کو اسلامی یادگاروں کا سب سے بڑا مرکز بنا دیا۔ دوسری طرف مشرق میں سندھ، کابل اور فرغانہ کو فتح کر کے سرزمینِ چین میں اپنا جھنڈا نصب کیا۔ روم کی طرف بڑھے تو قسطنطنیہ کی چہار دیواری تک پہنچ کر دم لیا۔ جزائر میں قبرص، اقریطش (کریٹ) اور روڈس وغیرہ کو فتح کیا۔ غرض مشرق، مغرب، جنوب، شمال، عرب، عجم، ترک و تاتار، چینی اور ہندی تمام قوموں نے ان کے آگے سر جھکایا اور تمام ممالک ان کے زیرِ نگیں ہوئے۔

حکومتِ بنو امیہ کا رقبہ اندلس کے آخری گوشوں سے لے کر سندھ تک پہنچتا تھا اور

Marfat.com

اِدھر بلادِ روم سے شروع ہو کر چین کی دیواروں تک ختم ہو جاتا تھا اور اس طرح گویا اس وقت دمشق کا پایۂ خلافت افریقہ اور ایشیا کے برّ ہائے اعظم کا مرکز تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اگرچہ فاتحانہ حیثیت سے اس رقبۂ حکومت کو وسیع نہیں کیا تاہم اس کو عدل و انصاف سے معمور کر دیا اور یہی ایک فرمانروا کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

نسب اور خاندان

ابو حفص کنیت اور عمر نام تھا۔ باپ کا نام عبدالعزیز اور ماں کا نام ام عاصم تھا۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے :۔ عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ بن عبد شمس۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد خاندانِ بنو امیہ میں ایک ممتاز اور خوش قسمت بزرگ تھے۔ خود ان کا بیان ہے کہ "میں مصر میں مسلمہ بن مخلد کی گورنری کے زمانہ میں گیا تو وہاں میرے دل میں چند تمنائیں پیدا ہوئیں اور وہ سب کی سب پوری ہوئیں۔ میری آرزو تھی کہ میں مصر کا گورنر ہوتا۔ میری خواہش تھی کہ میں مسلمہ کی دونوں بیبیوں کو اپنے حبالۂ نکاح میں لاتا۔ میری تمنا تھی کہ قیس بن کلیب میرا حاجب ہوتا" چنانچہ خدا نے ان کی یہ تمام امیدیں پوری کیں۔ مسلمہ کی دونوں بیبیاں ان کے نکاح میں آئیں، قیس بن کلیب ان کا حاجب مقرر ہوا اور پورے ۲۰ سال دس مہینے ۱۲ دن تک متصل مصر کی گورنری کی۔ مورخین کا بیان ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کسی گورنر کا دورِ حکومت اس قدر ممتد نہیں ہوا۔

ان کی گورنری کا زمانہ رجب ۶۵ھ سے شروع ہوا جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ عبدالرحمٰن بن محجدم جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے مصر کا گورنر تھا، مصر کے ان تمام خوارج کو جو مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے معین و مددگار تھے، جمع کر کے تحکیم کا دعویٰ کیا اور علی الرغم حامیان

بنی امیہ لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد ذو قعدہ ۶۴ھ میں عبدالعزیز کے باپ مروان بن حکم نے تمام لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی۔ مصر کے لوگ اگرچہ بظاہر ابنِ حجدم کے طرفدار تھے لیکن در پردہ ان کا میلان مروان کی طرف تھا۔ اس لیے انھوں نے اس کو مصر میں بلایا۔ مروان اکابرِ داعیان کی ایک جماعتِ کثیر کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوا اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ایک فوج کے ساتھ ایلہ کی طرف روانہ کیا۔ ابنِ حجدم نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ مقابلے کی تیاری کی۔ اکدر بن حمام اللخمی کی قیادت میں چند جنگی جہاز روانہ کیے کہ بحری راستہ سے شام کا رُخ کرے۔ برّی جنگ کے لیے دو فوجیں بھیجیں جن میں ایک کا مقصد یہ تھا کہ عبدالعزیز کو ایلہ میں داخل نہ ہونے دے۔ اس فوج کا سپہ سالار زہیر بن قیس تھا۔ اس نے مقام بصاق میں پہنچ کر عبدالعزیز کا مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ خود ابن حجدم نے مقام عین شمس میں مروان کا مقابلہ کیا اور تقریباً دو روز تک معرکہ کی لڑائی ہوئی جس میں فریقین کے بہت سے لوگ کام آئے۔ بالآخر متعدد با اثر اشخاص نے بیچ میں پڑ کر مروان اور ابنِ حجدم میں مصالحت کروا دی اور مصالحت کے بعد مروان جمادی الاولی ۶۵ھ میں داخل مصر ہوا اور دارِ فلفل میں اترا جو آج مسجدِ جامع کے سامنے واقع ہے لیکن اس کی بلند ہمتی نے اس کو گوارا نہیں کیا، اس لئے اس نے کہا کہ "خلیفہ ایسے شہر میں قیام نہیں کر سکتا جس میں کوئی محل نہ ہو۔" چنانچہ اس کے حکم سے قصرِ بیضا تعمیر ہوا۔ اس نے لوگوں کے عطیے مقرر کیے اور قبیلہ معافر کے سوا تمام اہلِ مصر نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مروان نے مصر میں کل دو مہینے قیام کیا اور رجب ۶۵ھ میں اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے واپس آیا۔ رخصت کے وقت عبدالعزیز نے معذرت کی کہ "اے امیر المومنین! میں ایک ایسے شہر میں جس میں میرا کوئی بھائی بند نہیں ہے کیونکر قیام کر سکوں گا؟" مروان نے کہا "جان پدر عام طور پر احسان کرو سب تمہارے بھائی ہو جائیں گے۔ سب سے کشادہ روئی کے ساتھ ملو سب تمہارے دوست بن جائیں گے۔ تمام رؤسا کو یقین دلاؤ کہ وہ تمہارے خواص ہیں تو وہ تمہارے حامی بن جائیں گے اور

Marfat.com

ان کی تمام قوم تمہاری اطاعت کرنے لگے گی۔ میں تمہارے بھائی بشر کو تمہارا ہمدم اور موسیٰ بن نصیر کو تمہارا وزیر اور مشیر مقرر کرتا ہوں"۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سی اخلاقی نصیحتیں کر کے اس سے رخصت ہوا اور واپسی کے بعد صرف دو مہینہ تک زندہ رہا۔ یعنی رمضان ۶۵ھ میں انتقال کر گیا۔

مروان کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک خلیفہ ہوا اور اس نے بھی عبدالعزیز کو اس عہدے پر قائم رکھا۔ عبدالعزیز نے اپنے زمانۂ گورنری میں بہت سے قابلِ یادگار کام کئے۔ ۶۷ھ میں ایک زرنگار محل بنوایا۔ ۷۰ھ میں مصر میں طاعون آیا تو اس نے وہاں سے نکل کر حلوان میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہاں متعدد محل اور مسجدیں تعمیر کروائیں اور انگور و خرما کے متعدد باغ لگوائے۔ ۷۷ھ میں مصر کی مسجد جامع کو منہدم کر کے ازسرِنو تعمیر کروایا اور چاروں طرف اس میں اضافہ کیا۔ ۶۹ھ میں خلیج مصر پر دو پُل بندھوائے اور اس پر اپنا نام کندہ کرایا۔[1] مذہبی حیثیت سے تعریف کی ایجاد کی یعنی عرفہ کے دن عصر کے بعد مسجد میں بیٹھنے کا طریقہ قائم کیا۔

علماء کے حقوق و احترام کو نہایت فیاضی کے ساتھ قائم رکھا۔ عبدالرحمٰن بن حجیرہ خولانی قاضی مصر کا ہزار دینار سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور ابو الخیر مرثد بن عبداللہ الیزنی کو خود اپنے یہاں بلاتا تھا اور اُس سے فتویٰ لیتا تھا۔[2]

شعراء کے ساتھ اس قدر فیاضانہ سلوک کیا کہ ایک بار کسی نے کثیر سے پوچھا کہ اب تم شعر کیوں نہیں کہتے؟ بولا عبدالعزیز کی وفات کے بعد صلہ کی کس سے توقع ہو سکتی ہے۔[3]

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ روزانہ ہزار طبق خود اس کے مکان کے گرد چنے جاتے تھے اور سو طبق میں عموماً اہلِ مصر کو کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:۔

کل یوم کانہ یوم اضحیٰ — عند عبدالعزیز او یوم فطر

ہر دن عبدالعزیز کے یہاں — عید یا بقر عید کا دن ہوتا ہے۔

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۳ ص ۲۰۴ ۔ [2] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۱۸ ۔ [3] حسن المحاضرہ تذکرہ عزہ ص ۲۴۰۔

Marfat.com

وله الف جفنة مترعات   كل يوم يمدها الف قدر

ان کے یہاں ہزار چھلکتے ہوئے پیالے ہیں   جن کو ہزار دیگچیاں لبریز کرتی ہیں

عبدالعزیز نے ۸۶ھ میں ۱۴ جمادی الاولیٰ یوم دوشنبہ کو حلوان میں انتقال کیا اور لاش فسطاط میں لاکر دفن کی گئی۔ مرتے وقت یہ الفاظ زبان پر تھے "کاش میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہ ہوتا، کاش میں ایک تنکا یا حجاز کا ایک چرواہا ہوتا۔" متعدد شعراء نے پُر درد مرثیے لکھے جن کو کندی نے اپنی کتاب ولاۃ مصر میں نقل کیا ہے[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی والدہ ام عاصم حضرت عاصم بن عمر بن الخطابؓ کی صاحبزادی تھیں۔ علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ایک روز رات کو حضرت عمرؓ مدینہ کا گشت لگا رہے تھے کہ ایک دیوار کے کنارے تھک کر بیٹھ گئے۔ گھر کے اندر ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ "اُٹھ کر دودھ میں پانی ملا دے۔" لیکن لڑکی نے کہا کہ "امیرالمومنین نے عام منادی کرا دی ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔" ماں نے کہا کہ "اس وقت عمرؓ اور عمرؓ کے منادی والے دیکھ نہیں سکتے، تم دودھ میں پانی ملاؤ۔" اس نے جواب دیا کہ "خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں امیرالمومنین کی اطاعت کروں اور خلوت میں ان کی نافرمانی کا داغ اپنے دامن پر لگاؤں۔" حضرت عمرؓ نے یہ تمام گفتگو سُن لی اور عاصم سے کہا کہ اس دروازے اور اس جگہ کو یاد رکھو۔ صبح ہوئی تو ان کو بھیجا کہ پتہ لگائیں کہ یہ کون عورتیں تھیں اور وہ صاحبِ شوہر ہیں یا نہیں؟ وہ آئے تو معلوم ہوا کہ لڑکی کنواری اور ماں بیوہ ہے، اب حضرت عمرؓ نے اپنے تمام لڑکوں کو جمع کیا اور کہا کہ اگر مجھے نکاح کی ضرورت ہوتی تو میں خود اس لڑکی سے نکاح کر لیتا، لیکن تم میں جو پسند کرے میں اس سے اس کا نکاح کر سکتا ہوں۔ عبداللہؓ اور عبدالرحمٰنؓ کے بیبیاں موجود تھیں، البتہ عاصم کو نکاح کی ضرورت تھی اس لیے انھوں نے اس سے عقد کر لیا اور اسی لڑکی سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

---

[1] یہ پوری تفصیل کتاب ولاۃ مصر للکندی مطبوعہ بیروت میں مذکور ہے۔ دیکھو کتاب مذکور ازص ام تاص ۵۸۔

Marfat.com

کی ماں اُمّ عاصم پیدا ہوئیں[1] اور اس لحاظ سے حضرت عمرؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پرنانا ہوئے۔

ولادت حافظ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مصر کے ایک گاؤں حلوان میں جس کے امیر ان کے باپ تھے، ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں پیدا ہوئے لیکن علّامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ یزید کے زمانۂ خلافت میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ کی گورنری کے زمانہ میں مصر میں نشوونما پائی[2] اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ عبدالعزیز بن مروان کی گورنری کا زمانہ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے ۶۵ھ سے شروع ہوتا ہے اس لیے ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں حلوان میں ان کی ولادت قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔

تعلیم و تربیت بہرحال حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ میں پیدا ہوئے اور جب بڑے ہوئے تو ان کے والد عبدالعزیز مصر کے گورنر مقرر ہو گئے اور وہاں سے انھوں نے اپنی بی بی اُمّ عاصم کو لکھا کہ اپنے بچّے کو لے کر مصر چلی آئیں۔ وہ اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئیں اور اس کی اطلاع دی۔ انھوں نے کہا کہ تم تو چلی جاؤ لیکن اس بچّے کو ہمارے ہاں چھوڑ دو کیونکہ وہ تم میں ہم سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اُن کے یہاں چھوڑ کر مصر چلی گئیں۔ عبدالعزیز بن مروان نے ان کو نہیں دیکھا تو پوچھا کہ عمر کہاں ہے؟ اُنھوں نے واقعہ بیان کیا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے بھائی عبدالملک کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے ہزار دینار ماہوار ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنے باپ کے یہاں آئے اور قیام کیا، پھر ایک واقعہ کے پیش آجانے سے یہ مناسب معلوم ہوا کہ ان کی تعلیم مدینہ ہی میں ہو، چنانچہ ان کو مدینہ بھیج دیا[3] اور انہوں نے وہیں صالح بن کیسان کی اتالیقی میں تعلیم و تربیت پائی اور صالح بن کیسان نے جس دیانت کے ساتھ ان کی مذہبی و اخلاقی نگرانی کی اس کا اندازہ اس سے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۶، سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۷ ر ۱۸ میں جو روایت ہے وہ اس سے کسی قدر مختلف ہے اس میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود عاصمؓ کو اس لڑکی کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا اور ان سے کہا کہ تم اس سے نکاح کر لو کیونکہ اس کے ہاں ایک ایسا شہسوار پیدا ہوگا جو عرب کا سردار ہوگا۔ [2] تذکرۃ الخلفاء تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ [3] تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ۔
[4] سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۹-۲۰۔

Marfat.com

ہو سکتا ہے کہ ایک بار انھوں نے نماز میں تاخیر کی اور صالح بن کیسان نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ "بال سنوارنے میں دیر ہوگئی"۔ بولے کہ اب بالوں کی آرائش کو نماز پر بھی ترجیح دیتے ہو! چنانچہ عبدالعزیز کو اس واقعہ کی خبر کی اور انھوں نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا جس نے آکر پہلے ان کے بال منڈوائے اس کے بعد بات چیت کی[1] غالباً یہی اثر تھا جس کی بناء پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو اپنی اولاد کا اتالیق بھی مقرر کیا[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور عربیت اور شعر و شاعری کی تعلیم حاصل کی۔

حدیث کی روایت اگرچہ مختلف شیوخ سے کی جن میں تابعین کے علاوہ متعدد صحابہ بھی شامل تھے لیکن وہ اس مقدس فن میں زیادہ تر عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کے مرہونِ منت ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں بالتخصیص لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مؤدب تھے۔ خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جن لوگوں سے روایت کی ہے اُن میں عبداللہ ابن عبداللہ بن عتبہ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں۔

ان بزرگوں کے فیضِ صحبت سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ درجہ حاصل کیا کہ بڑے بڑے محدثین کو اُن کے فضل و کمال کا اعتراف کرنا پڑا۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے :۔

کان اماماً فقیہاً مجتہد اعارفاً	وہ بڑے امام، بڑے فقیہ، بڑے مجتہد، حدیث کے
بالسنن کبیر الشان ثبتاحجۃ حافظا	بڑے ماہر اور معتبر حافظ اور سند تھے

میمون بن مہران کا قول ہے کہ "ہم ان کے پاس اس خیال سے آئے تھے کہ وہ ہمارے محتاج ہوں گے لیکن ہم کو معلوم ہوا کہ ہم خود انہی کے شاگرد ہیں"۔ بڑے بڑے علماء ان سے مشکل

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۳ تذکرہ صالح بن کیسان۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۸، تذکرہ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود۔ [4] یہ تمام تفصیل سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ میں از ص ۸ تا ص ۹ میں ہے۔

Marfat.com

مسائل کے متعلق سوال کرتے تھے اور وہ نہایت برجستگی کے ساتھ جواب دیتے تھے۔ ایک بار حجاز اور شام کے متعدد علما جمع ہوئے اور ان کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ آپ اُن سے

انی لھم التناوش من مکان بعید — وہ دور سے کیونکر پا سکتے ہیں

کسی تفسیر کے متعلق سوال کیجئے۔ انھوں نے پوچھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا کہ تناوش من مکان بعید سے وہ توبہ مراد ہے جس کی ایسی حالت میں خواہش کی جائے جس میں اس پر انسان قادر نہ ہو۔ لیکن تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد ان کو امورِ سلطنت کی مصروفیت نے مزاولتِ علمیہ کا موقع نہیں دیا اس لیے وہ اپنے علمی سرمایہ کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ ان کا خود بیان ہے کہ "میں مدینہ سے فارغ ہو کر نکلا تو وہاں مجھ سے کوئی بڑا عالم نہ تھا لیکن شام میں آ کر سب کچھ بھول گیا۔[1] امام زہری کا بیان ہے کہ "میں نے ایک رات ان سے گفتگو کی تو انھوں نے کہا کہ "جو حدیثیں آپ نے بیان کیں میں نے وہ سب سنی تھیں لیکن آپ نے اُن کو یاد رکھا اور میں بھول گیا۔"[2]

شادی عبدالعزیز بن مروان کے انتقال کے بعد عبدالملک نے اپنی لڑکی فاطمہ سے ان کی شادی کر دی اور انھوں نے نہایت بلیغ الفاظ میں اس کا شکریہ ادا کیا۔[3]

مدینہ منورہ کی گورنری اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے فضل و کمال کا سب سے زیادہ موزوں مظہر صرف مسندِ درس ہو سکتا تھا لیکن خاندانِ خلافت کے تعلقات نے اس کے لیے مسندِ حکومت کا انتخاب کیا۔ پہلے وہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے خناصرہ کے گورنر تھے۔[4] لیکن ۸۶ھ میں جب ولید بن عبدالملک سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے ربیع الاول ۸۷ھ میں ان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس عہدہ کے قبول کرنے میں لیت و لعل کیا اور جب ولید نے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے چند شرطیں پیش کیں جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ جو گورنر ان سے پہلے تھے ان کے ظلم و عدوان پر ان کو مجبور نہ کیا جائے۔ ولید

---

[1] تذکرۃ الحفاظ تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ۔ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۷-۲۸۔ [3] تاریخ الخلفاء تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؓ و سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۷۔ [4] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۴۲۔

نے جواب دیا کہ آپ حق پر عمل کیجئے گو ہم کو ایک درہم بھی وصول نہ ہو۔[1] اس معاہدے کے بعد وہ شام سے مدینہ کو روانہ ہوئے لیکن اس وقت عمر بن عبد العزیزؒ وہ عمر بن عبد العزیزؓ نہ تھے جو کبھی حضرت ابوہریرہؓ اور کبھی حضرت مصعب بن عمیرؓ کے قالب میں نمایاں ہوتے تھے۔ اس لیے شام سے نکلے تو ۱۳۰ اونٹوں پر ان کا ذاتی سازوسامان لد کر روانہ ہوا۔[2] مدینہ میں پہنچے تو مروان کے مکان میں اُترے۔ نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر فقہائے مدینہ میں سے دس بزرگوں کو طلب کیا اور ان کے سامنے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک ایسے کام کے لیے طلب کیا ہے جس پر آپ لوگوں کو ثواب ملے گا اور آپ حامیِ حق قرار پائیں گے۔ میں آپ لوگوں کی رائے و مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا پس اگر آپ لوگ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ لوگوں میں سے کسی کو میرے کسی عامل کے ظلم کا حال معلوم ہو تو میں خدا کی قسم دلوا کر کہتا ہوں کہ وہ مجھ تک اس معاملے کو ضرور پہنچائے۔ فقہاء نے یہ تقریر سنی تو ان کو جزائے خیر کی دُعا دیتے ہوئے واپس آئے۔[3]

تعمیرِ مسجدِ نبویؐ گورنری مدینہ کے زمانہ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جو ناقابلِ فراموش یادگاریں قائم کیں ان میں ایک ابدی یادگار مسجدِ نبویؐ ہے۔ مسجدِ نبویؐ میں اگرچہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے تغیّر و اضافہ شروع ہو گیا تھا۔ بالخصوص حضرت عثمانؓ نے تو اس کو بہت کچھ شاندار بنا دیا تھا، لیکن ان کے بعد حضرت علیؓ کے زمانہ سے لے کر عبد الملک کے زمانہ تک کسی خلیفہ نے اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا۔ ولید کا زمانہ آیا تو اس نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی اور مسجد کو نئے آب و رنگ کے ساتھ تعمیر کروانا چاہا۔ چنانچہ جب وہ مسجدِ دمشق کی تعمیر سے فارغ ہوا، تو ربیع الاوّل ۸۸ھ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو لکھا کہ مسجدِ نبویؐ نئے سرے سے تعمیر کی جائے اور اس کے پاس ازواجِ مطہرات کے جو حجرے اور دوسرے مکانات ہیں وہ بہ قیمت لے کر مسجد میں شامل کر لئے جائیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے نہایت مستعدی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے مسجد کو شہید کرانا شروع کیا تو اکثر فقہائے مدینہ مثلاً

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؓ ص ۳۲۔ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۳۳۹۔ [3] طبری ص ۱۸۳ اور طبقات ابن سعد ص ۲۴۵ و ۲۴۶

Marfat.com

قاسم، سالم، ابوبکر بن عبدالرحمٰن وغیرہ ساتھ تھے۔ ان بزرگوں نے مسجد کی داغ بیل ڈالی اور اس کی بنیاد قائم کی۔

صفر ۸۸ھ میں تعمیر کا کام شروع ہوا اور اسی وقت ولید نے شاہ روم کو لکھا کہ "ہم اپنے پیغمبر کی مسجد تعمیر کر رہے ہیں ہم کو مدد دو"۔ چنانچہ شاہ روم نے لاکھ مثقال سونا، سو مزدور اور چالیس بورے فسیفسا کے بھیجے اور حکم دیا کہ مدائن کے کھنڈروں میں سے فسیفسا تلاش کی جائے[1]۔ چنانچہ جب یہ مسالہ مہیا ہو گیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس اہتمام کے ساتھ مسجد کی تعمیر کا کام شروع کرا دیا کہ جب کوئی کاریگر فسیفسا کا ایک بڑا درخت بناتا تھا تو اس کو ۳۰۰ درہم بطور انعام کے دیتے تھے[2]۔

مسجد نبوی میں اگرچہ مختلف قسم کے تغیرات ہو چکے تھے لیکن کنگرہ اور محراب کی طرف اب تک کسی کا خیال رجوع نہیں ہوا تھا اس کی ایجاد کا شرف صرف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حاصل ہوا، چنانچہ انھوں نے مسجد کے چاروں کنارے محراب قائم کروائی اور پرنالے وغیرہ سیسے کے بنوائے[3]۔

تعمیر کا کام ۸۸ھ میں شروع ہوا تھا اور ۹۰ھ میں ختم ہوا، اس کے بعد ۹۱ھ میں ولید نے حج اور حج کے ساتھ مسجد کا معائنہ کرنا چاہا۔ چنانچہ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اکابرِ مدینہ کو ساتھ لے کر نہایت شان و شوکت سے اس کا استقبال کیا[4]۔ ولید نے مسجد میں جا کر ہر طرف گھوم گھوم کے دیکھنا شروع کیا۔ مسجد کے مقصورہ کی چھت پر نظر پڑی تو اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کہا کہ تمام چھتیں اسی وضع کی کیوں نہیں بنوائیں؟ بولے "صرف زیادہ پڑتا تھا صرف قبلہ کی دیوار اور دونوں چھتوں کے درمیان ۴۵ ہزار دینار صرف ہوئے"[5]۔

فوارہ ولید کے ایماء سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد کے ساتھ ساتھ ایک فوارہ بھی تعمیر کرایا۔ چنانچہ ولید نے حج کیا تو فوارہ اور مخزنِ آب کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا اور اس کے لئے بہت

---

[1] طبری ص ۱۱۹۳، ۱۱۹۴۔ [2] خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۹۔ [3] خلاصۃ الوفاء ص ۱۴۰۔ [4] یعقوبی ج ۲ ص ۳۴۰، طبری ص ۱۲۳۲ میں اس استقبال کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ [5] خلاصۃ الوفاء ص ۱۴۰۔

Marfat.com

سے ملازم رکھے اور حکم دیا کہ اہلِ مسجد کو اس سے پانی پلایا جائے۔[۱]

تعمیرِ مساجد اطرافِ مدینہ | حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے مسجدِ نبویؐ کو نئے سرے سے تعمیر کروایا تو اطرافِ مدینہ کی جن جن مسجدوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز ادا فرمائی تھی، ان کی طرف بھی توجہ کی اور ان کو منقش پتھروں سے تعمیر کرایا۔[۲]

تعمیرِ چاہ و ہمواری راہ | اسی سال ولید نے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اور دوسرے عمّال کو لکھا کہ مدینہ اور عموماً دوسرے شہروں میں بکثرت کنویں کھدوائے جائیں اور پہاڑوں کے دشوار گزار راستے ہموار کئے جائیں۔

امیر الحجاج کی خدمت انجام دینا | اسلام میں پالٹیکس اور مذہب چونکہ ہمیشہ سے شیر و شکر رہے اس لئے خلفائے راشدینؓ ہی کے زمانہ سے یہ رسم قائم ہو گئی تھی کہ خود خلفاء ایامِ حج میں امیر الحجاج بنتے تھے اور لوگوں کو اپنے ساتھ حج کراتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے بھی اپنے زمانۂ گورنری میں یہ مقدس خدمت متعدد بار انجام دی۔ چنانچہ یعقوبی نے ان تمام سالوں کی تصریح کی ہے جن میں انھوں نے لوگوں کو اپنے ساتھ حج کرایا۔[۴]

معزولی | حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ۸۷ھ سے لے کر ۹۳ھ تک گورنری کی اور مدینہ کے ساتھ مکہ اور طائف بھی ان کے زیرِ حکومت رہے لیکن آخر کار ۹۳ھ میں ان کو اس عہدہ سے الگ ہونا پڑا۔ تاریخ طبری میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ولید کو ایک خط لکھا جس میں حجاج کے مظالم کی شکایت کی۔ حجاج کو اس کی خبر ہوئی اس نے جل کر ولید کو ایک خط لکھا کہ عراق سے بہت سے مفسدہ پرداز لوگ جلا وطن ہو کر مکہ اور مدینہ میں آباد ہو گئے ہیں جو ایک قسم کی سیاسی کمزوری ہے۔ ولید نے لکھا کہ مجھے دو شخصوں کے نام بتاؤ جو مدینہ اور مکہ کی گورنری کر سکیں۔ حجاج نے خالد بن عبد اللہ اور عثمان بن حیان کے نام لکھ بھیجے اور ولید نے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو معزول کر کے خالد کو مکہ اور عثمان کو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا۔[۶]

---

[۱] طبری ص ۱۱۹۶۔ [۲] فتح الباری ج اوّل ص ۴۷۲۔ [۳] طبری ص ۱۱۹۶۔ [۴] یعقوبی ج ۲ ص ۳۴۹۔ [۵] طبری ص ۱۲۵۴۔ [۶] طبری ص ۱۲۵۴۔

Marfat.com

لیکن سیرت عمر بن عبد العزیزؒ میں لکھا ہے کہ ۹۳ھ میں ولید نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو لکھا کہ حبیب کو سزا دیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اگرچہ اس حکم کی تعمیل کی اور ان کو سو کوڑے لگوائے۔ قید خانہ میں محبوس رکھا اور ان کے جسم پر ٹھنڈا پانی چھڑکوایا، تاہم اس قسم کی سفاکیاں ان کی فطرت کے بالکل مخالف تھیں، چنانچہ جب ان سزاؤں کے بھگت لینے کے بعد لوگ اُن کو لے گئے اور وہ گھر جا کر مر گئے تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ماجشون کو بھیجا کہ جا کر ان کی حالت دریافت کرائیں۔ وہ آئے تو لوگوں نے اُن کے چہرے سے چادر الٹ دی اور انھوں نے اُن کو مردہ پایا۔ وہ پلٹے تو ان کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ پریشانی میں کبھی اُٹھتے تھے، کبھی کھڑے ہو جاتے تھے، انھوں نے انتقال کی خبر سنائی تو وہ زمین پر گر پڑے اور انّا للّٰہ پڑھتے ہوئے اٹھے اور گورنری سے استعفاء دے دیا۔[1]

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۳۴، ۳۵۔

Marfat.com

خلافت

اگرچہ تمام خاندان بنو امیہ مہمات امور میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی طرف رجوع کرتا تھا[1] لیکن سلیمان بن عبد الملک کو اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس نے ان کو گویا اپنا وزیر بنا لیا تھا[2]۔ اس بنا پر اس کے بعد جو لوگ خلافت کے مستحق ہو سکتے تھے ان میں ایک حضرت عمر بن عبد العزیز بھی تھے۔ چنانچہ جب عہد نامۂ خلافت پر سلیمان بن عبد الملک نے گمنام طریقہ سے بیعت لی تو خود حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو خیال پیدا ہوا کہ قرعۂ فال کہیں ان کے نام تو نہیں پڑا؟ آخر کار ان کا یہ خیال صحیح نکلا۔ چنانچہ سلیمان بن عبد الملک جب مقام وابق میں جو فوج کا اجتماع گاہ تھا ۹۹ھ میں بیمار ہوا اور اس کو زیست سے مایوسی ہوئی تو اس نے پہلے اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ایک وصیت نامہ کے ذریعے سے اپنا ولی عہد مقرر کیا لیکن رجاء بن حیوٰۃ نے اس سے اختلاف کیا[3] کہ خلیفہ کا سب سے زیادہ قابلِ یادگار کارنامہ یہ ہے کہ وہ صالح شخص کو اپنا جانشین بنائے۔ یہ سن کر سلیمان نے کہا کہ "ابھی میں نے عزم مصمم نہیں کیا ہے اس پر غور کروں گا"۔ چنانچہ اس نے دو ایک روز کے بعد اس وصیت نامہ کو چاک کر دیا اور رجاء بن حیوٰۃ کو بلا کر پوچھا کہ داؤد بن سلیمان کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ داؤد اس وقت قسطنطنیہ میں تھے۔ رجاء نے کہا آپ کو کیا معلوم ہے کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے۔ سلیمان نے کہا تو پھر تمہاری نگاہ کس پر پڑتی ہے؟ بولے "آپ نام لیجئے میں اس پر غور کروں گا"۔ سلیمان نے کہا کہ عمر بن عبد العزیزؓ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۴۔ [2] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۱۲ و تاریخ الخلفاء تذکرہ سلیمان بن عبد الملک۔ [3] سیرۃ ابن عبد الحکم ص ۲۹ میں ہے کہ سلیمان بن عبد الملک سے پہلے ہی ایوب کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کے علاوہ اس کے تمام لڑکے چھوٹے اور قابلِ بیعت نہ تھے۔

Marfat.com

رجاء نے کہا کہ "وہ نہایت برگزیدہ مسلمان ہیں۔" سلیمان بولا، میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن اگر میں ان کو خلیفہ مقرر کر دوں اور عبدالملک کی اولاد کا بالکل لحاظ نہ کروں تو ایک فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا اور جب تک میں ان میں کسی کو ان کے بعد ولی عہد نہ بنا لوں وہ لوگ ان کی خلافت کو تسلیم نہ کریں گے۔ اس لیے یزید بن عبدالملک کو ان کے بعد ولی عہد بناتا ہوں میرا یہ طرزِ عمل ان کو تسکین دے دے گا۔

رجاء نے بھی اس سے اتفاق کیا اور سلیمان نے خود اپنے ہاتھ سے عہد خلافت لکھا اور اس کو مہر بند کر کے کعب بن جابر افسر پولیس کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے تمام خاندان کو ایک جگہ جمع کریں وہ لوگ جمع ہوئے تو اس عہد نامہ کو رجاء کے حوالہ کیا اور کہا کہ یہ میری تحریر ہے، ان کو حکم دو کہ جس کو میں نے خلیفہ مقرر کیا ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ رجاء نے ان کو خلیفہ کا یہ حکم سنایا تو سب نے سمعنا و اطعنا کہا اور پوچھا کہ کیا ہم خلیفہ کے پاس جا کر سلام عرض کر سکتے ہیں؟ رجاء نے کہا ہاں۔ چنانچہ جب وہ لوگ اندر گئے تو سلیمان نے رجاء کے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ میرا وصیت نامہ ہے جس کو میں نے خلیفہ مقرر کیا ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت کرو اور اس کے فرماں بردار بنو۔ اس پر سب نے الگ الگ بیعت کی۔ چونکہ یہ بیعت گمنام تھی، اس لیے جب تمام خاندان کے لوگ ہٹ گئے تو مستحقینِ خلافت مثلاً ہشام بن عبدالملک اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے متعلق سوال کیا۔[1] لیکن رجاء نے اس تحریر کو بالکل صیغۂ راز میں رکھا اور کسی کو اس کے ایک حرف کی بھی اطلاع نہ دی۔ اس کے تین دن بعد سلیمان نے انتقال کیا۔ لیکن رجاء نے نہایت اہتمام کے ساتھ اس کی موت کو چھپایا اور دروازے پر نہایت معتبر اشخاص کو بٹھایا کہ کوئی شخص لاش تک نہ جانے پائے اور دوبارہ تمام خاندان بنو امیہ کو مسجد دابق میں جمع کیا اور نئے سرے سے بیعت لینا چاہی لیکن ان لوگوں نے کہا کہ جب ہم ایک بار بیعت کر چکے ہیں تو کیا دوبارہ پھر بیعت کریں۔ رجاء نے کہا کہ یہ امیر المومنین (سلیمان) ہیں ان کا جو

---

[1] لیکن اس کے معنی یہ نہ تھے کہ وہ اس عہدہ کو سننا چاہتے تھے، بلکہ سیرۃ ابن حکم ص ۳۰ میں ہے کہ انھوں نے رجاء ابن حیوۃ کو قسم دلا کر کہا تھا کہ اگر ولیعہدی کے متعلق سلیمان بن عبدالملک میرا نام لے تو تم روک دینا اور اگر میرا نام نہ آئے تو تم میرا نام نہ لینا۔

Marfat.com

فرمان ہے اور جس کو انھوں نے خلافت کے لئے انتخاب کیا ہے اس کے لیے بیعت کرو۔ سب نے پھر ایک ایک کرکے بیعت کی۔ اب جب کہ رجاء کو یقین ہو گیا کہ معاہدۂ بیعت مستحکم ہو گیا انھوں نے وصیت نامہ کا مضمون پڑھ کر سنایا اور سلیمان کی موت کی خبر دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا نام آیا تو ہشام بن عبدالملک نے کہا کہ "ہم ان کے ہاتھ پر قیامت تک بیعت نہیں کر سکتے۔" بولے کہ "خدا کی قسم اٹھو اور بیعت کرو ورنہ تمھارا سر قلم کر دوں گا۔" اس کے بعد رجاء نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر کھڑا کر دیا اور انھوں نے اس بارِ عظیم پر اور ہشام نے اپنی ناکامی پر (انا للّٰہ) پڑھا۔

ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد سلیمان بن عبدالملک کی تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا اور خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خود اس کو قبر میں اُتارا۔ تجہیز سے فارغ ہونے کے بعد تمام شاہی سواریاں جس میں خچر اور ترکی گھوڑے وغیرہ تھے حاضر کئے گئے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ "میرا خچر میرے لئے کافی ہے" یہ کہہ کر ان کو واپس کر دیا۔ افسر پولیس نیزہ لے کر آگے آگے چلا تو اس کو ہٹا دیا اور کہا کہ "میں بھی تمام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں۔"

سیرۃ ابن عبدالحکم (ص۳۵) میں ہے کہ جب ان کے سامنے سواریاں پیش کی گئیں تو انھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے! لوگوں نے کہا کہ ان پر اب تک سواری نہیں کی گئی ہے، جب کوئی شخص خلیفہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے وہ ان پر سوار ہوتا ہے لیکن انھوں نے اپنا خچر طلب کیا اور اپنے غلام سے کہا کہ ان کو بیت المال میں داخل کر دو۔ اسی طرح ان کے لیے خیمے نصب کئے گئے۔ انھوں نے ان کے متعلق بھی یہی سوال کیا تو معلوم ہوا کہ یہ وہ خیمے ہیں جن میں اب تک کسی نے قیام نہیں کیا ہے، ان میں صرف وہ شخص قیام کرتا ہے جو خلیفہ ہوتا ہے۔ انھوں نے ان کے متعلق بھی غلام مزاحم کو یہی حکم دیا کہ بیت المال میں داخل کر دو، پھر خچر پر سوار ہو کر آئے تو وہ فرش فروش جن پر صرف وہ شخص بیٹھتا تھا جو خلیفہ ہوتا تھا لیکن وہ ان کو مسلتے ہوئے چٹائی تک پہنچے

مزاحم سے کہا کہ ان کو بیت المال میں داخل کر دو۔

خلفائے بنو امیہ کے یہاں دستور تھا کہ جب خلیفہ مر جاتا تھا تو اس کے استعمالی کپڑے اور خوشبوئیں اس کی اولاد کو ملتی تھیں اور غیر استعمالی کپڑوں اور خوشبوؤں کا مالک خلیفہ ہوتا تھا۔ اسی طریقے کے مطابق سلیمان بن عبدالملک کے لڑکوں نے ان چیزوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا کہ یہ نہ میری ہیں نہ سلیمان کی اور نہ تمھاری۔ یہ کہہ کر مزاحم کو حکم دیا کہ ان سب کو بیت المال میں داخل کر دو[1]۔

واپسی کے وقت لوگوں کو خیال ہوا کہ قصرِ خلافت میں نزولِ اجلال ہوگا، لیکن چونکہ اس میں سلیمان کے اہل و عیال تھے، اس لیے اپنے ہی خیمہ میں اترے اور کہا کہ "میرا خیمہ میرے لیے کافی ہے۔" اندر داخل ہوئے اور لونڈی نے ان کے بشرے کو دیکھ کر کہا کہ "آپ شاید متردّد ہیں"۔ بولے کہ "یہ تشویشناک بات ہی ہے مشرق و مغرب میں امتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ و اطلاع اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو"۔ اس کے بعد مسجد میں آئے اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:-

"لوگو مجھ پر خلافت کا بار بغیر اس کے کہ مجھ سے رائے لی جاتی یا میں اس کا خواستگار ہوتا، یا عام مسلمانوں سے مشورہ لیا جاتا، ڈال دیا گیا۔ میری بیعت کا جو قلادہ تمھاری گردنوں میں ہے میں اس کو خود نکال لیتا ہوں، اب جس کو پسند کرو اپنا خلیفہ مقرر کرو۔"

اس خطبہ کو سُن کر تمام لوگوں نے بآوازِ بلند کہا کہ ہم نے آپ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا اور آپ کی خلافت پر راضی ہوئے۔ جب یہ ہنگامہ فرد ہوا تو انھوں نے حمد و نعت کے بعد ایک مفصّل تقریر کی جس میں لوگوں کو تقویٰ، فکرِ آخرت اور تذکرۂ موت کی طرف توجہ دلائی اور آخر میں بآوازِ بلند فرمایا کہ:

---

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص ۳۶۔

"لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے، اس کی اطاعت واجب ہے اور جو شخص اس کی نافرمانی کرے اس کی فرماں برداری جائز نہیں ... جب تک میں خدا کی اطاعت کروں میری اطاعت کرو اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میری فرماں برداری تم پر فرض نہیں ہے۔"

یہ سب کچھ ہو چکا لیکن عبدالعزیز بن ولید کو اب تک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلا
اور بیعت کا حال معلوم نہ تھا۔ اس لیے جب اس کو سلیمان بن عبدالملک کی موت کا حال م
ہوا تو اپنے ہمراہیوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی اور ان سے بیعت لے کر دمشق کا رُخ ک
وہاں بھی چل کر لوگوں سے بیعت لے۔ دمشق پہنچا تو معلوم ہوا کہ سلیمان کی وصیت کے مو
لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت پر بیعت کر لی ہے۔ اب حضرت عمر بن عبدالعز
خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے اس کے متعلق استفسار کیا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ سب
لاعلمی میں ہوا مجھ کو یہ معلوم نہ تھا کہ خود سلیمان نے کسی کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اس لیے میرے دل
خیال پیدا ہوا کہ لوگ مال و دولت کو لوٹ نہ لیں اس خیال سے میں نے اپنے ہاتھ پر بیع
لی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ اگر لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور تم امورِ خلا
کو سنبھال لیتے تو میں تم سے بالکل اختلاف نہ کرتا اور اپنے گھر میں بیٹھ رہتا۔" اب عبدالع
نے یہ کہہ کر کہ "میں آپ کے سوا کسی کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا، ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان تمام مراحل کے بعد امورِ خلافت کی طرف توجہ
ایک کاتب بلوایا اور نہایت مختصر الفاظ میں ایک بیان لکھوا کر تمام ممالکِ محروسہ
بھیجا۔ قسطنطنیہ میں جو فوج مقیم تھی وہ رسد کی کمی سے بالکل فاقہ مست ہو رہی تھی، اس کے
غلہ روانہ کیا اور اس کو واپس بلا لیا۔ سلیمان بن عبدالملک نے عام حکم دیا تھا کہ ہر جگہ
گھوڑے جمع کر کے باہم گھوڑ دوڑ کرائی جائے، ابھی گھوڑ دوڑ کا زمانہ نہیں آیا تھا کہ اس کا ا
ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اگرچہ بذاتِ خود اس کو ناپسند فرماتے تھے تاہم لوگوں نے

Marfat.com

کی کہ تمام لوگ دور دور سے تکلیف اٹھا کر گھوڑے لاتے ہیں، اس لیے گھڑ دوڑ کی اجازت دی اور جن لوگوں کے ہاتھ میدان رہا ان کو انعام دلوائے۔

مختلف شہروں میں عمال و قضاۃ مقرر فرمائے جن کے نام طبقاتِ ابن سعد میں بہ تفصیل مذکور ہیں[1]

اموالِ مغصوبہ کی واپسی خلفائے بنو امیہ نے رعایا کے مال و جائیداد پر جو ظالمانہ قبضہ کر لیا تھا ان کا واپس دلانا ایک مجدد خلافتِ اسلامیہ کا سب سے مقدم فرض تھا اور تائید ایزدی نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے سب سے پہلے یہی خدمت انجام دلائی۔ وہ جب سلیمان بن عبدالملک کی تجہیز و تکفین اور خلافت کے ابتدائی مراحل کو طے کر کے مکان پر واپس آئے تو قیلولہ کرنا چاہا، لیکن اسی حالت میں ان کے صاحبزادے عبدالملک نے آکر کہا کہ "آپ اموالِ مغصوبہ کی واپسی سے پہلے سونا چاہتے ہیں"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عذر کیا کہ میں نے سلیمان کی تجہیز و تکفین میں شب بیداری کی ہے، اس لیے نمازِ ظہر کے بعد یہ خدمت انجام دوں گا"، لیکن عبدالملک نے کہا کہ ظہر کے وقت تک آپ کی زندگی کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پر اس فقرہ کا اس قدر اثر ہوا کہ ان کو پاس بلا کر لپٹا لیا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا کہ "اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو ایک ایسی اولاد دی جو مجھ کو مذہبی کاموں میں مدد دیتی ہے"۔ اب قیلولہ کا خیال خوابِ فراموش ہو گیا اور فوراً اٹھ کر منادی کرائی کہ لوگ اموالِ مغصوبہ کے متعلق اپنی اپنی شکایتیں پیش کریں[2]

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے میمون بن مہران مکحول اور ابو قلابہ سے اس معاملہ میں مشورہ کیا تو مکحول نے دبی زبان سے اپنی رائے ظاہر کی جس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ناپسند فرما کر میمون بن مہران کے چہرے کی طرف دیکھا۔ میمون نے کہا کہ

---

[1] یہ پوری تفصیل طبقاتِ ابن سعد تذکرۂ عمر بن عبدالعزیزؒ اور سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ باب دوازدہم سے ماخوذ ہے۔ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۵۴۔

Marfat.com

اپنے صاحبزادے عبدالملک کو بھی طلب فرما لیجئے وہ ہم لوگوں سے کم صائب الرائے نہیں ہیں۔ عبدالملک آئے تو ان سے پوچھا کہ لوگ اموالِ مغصوبہ کا مطالبہ کر رہے ہیں، اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ بولے آپ ان کو فوراً واپس کر دیجئے ورنہ جن لوگوں نے ان پر غاصبانہ طریقہ سے قبضہ کیا ہے آپ بھی ان کے شریکِ کار ہوں گے۔ اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کی جائدادیں واپس دلانا شروع کیں چونکہ خود بھی خاندانِ بنوامیہ کے رکن تھے اس لیے سب سے پہلے اپنی ذات اور اپنے خاندان سے ابتدا کی اور جاگیروں کی جو سندیں تھیں، ان کی نسبت اپنے مولیٰ مزاحم کو حکم دیا کہ وہ پڑھ پڑھ کر سناتے جائیں، وہ ان سندوں کو پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان کو مقراض سے کترتے جاتے تھے۔ ان کی یہ جاگیریں عرب کے مختلف حصوں مثلاً یمن اور یمامہ وغیرہ میں پھیلی ہوئی تھیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان سب سے دست بردار ہو گئے، یہاں تک کہ ایک انگوٹھی کا نگینہ جو ان کو ولید نے دیا تھا اس کو بھی واپس کر دیا۔ مزاحم سے یہ دیکھا نہ گیا اور بولے کہ اولاد کی معاش کا کیا سامان ہوگا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے رخساروں پر آنسو جاری ہو گئے اور بولے کہ "ان کو خدا پر چھوڑتا ہوں"۔ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے مصارف کے لیے صرف خیبر اور ایک نہر کو محفوظ رکھا جس کو انھوں نے اپنے عطیہ کی آمدنی سے کھدوایا تھا اور جس کا سالانہ منافع کم و بیش ۱۵۰ دینار تھا لیکن جب خیبر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک تمام مسلمانوں کا عام حق تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنے عہدِ خلافت میں مروان کی جاگیر میں دے دیا تھا جو وراثۃً بعد وراثۃً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قبضہ میں آیا تو اس کو بھی واپس کر دیا اور صرف نہر کو باقی رکھا۔

سب سے زیادہ اہم معاملہ باغِ فدک کا تھا جو اس وقت ان کے قبضہ میں تھا۔ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو ان کی اور ان کے اہل و عیال کی معاش کا تمام تر دارومدار صرف فدک پر تھا جس کی سالانہ آمدنی ۱۰ ہزار دینار تھی لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی انھوں نے فدک کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے طرزِ عمل کا پتہ لگانا شروع

کیا جب انکشافِ حقیقت ہوا تو عام مروانی خاندان کو جمع کر کے کہا کہ فدک خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا، جس کی آمدنی آپ اپنی اور بنو ہاشم کی مختلف ضروریات میں صرف کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے آپؐ سے اس کو مانگا تھا لیکن آپؐ نے انکار فرما دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک اسی کے موافق عمل ہوتا رہا، لیکن اخیر میں مروان نے اس کو اپنی جاگیر میں داخل کر لیا اس کے بعد وہ میرے قبضہ میں آیا، لیکن جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو نہیں دی اس میں میرا کوئی حق نہیں ہے اور میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو حالت عہدِ رسالت میں تھی اس کو اسی طرف لوٹاتا ہوں[1]۔ چنانچہ اس کے متعلق ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو ایک خط لکھا کہ مجھے تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ فدک سے فائدہ اٹھانا میرے لیے جائز نہیں۔ اس لئے میں اس کو اسی حالت پر لانا چاہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں تھی، جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو اس کو ایک ایسے شخص کے قبضہ میں دیجئے جو تمام حقوق کی محافظت کے ساتھ اس کی نگرانی کرے۔

ان کی بی بی فاطمہؒ کی ایک لونڈی تھی جس پر وہ قبلِ خلافت فریفتہ تھے۔ خلافت کے بعد وہ ایک دن بن سنور کر ان کے سامنے آئی تو انھوں نے پوچھا کہ تم فاطمہ کی ملک میں کیوں کر آئی؟ بولی کہ حجاج نے کوفہ کے ایک عامل پر تاوان لگایا تھا اور میں اس کی مملوکہ تھی۔ حجاج نے مجھے انتخاب کیا اور عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا۔ میں اس وقت بالکل بچہ تھی، اس لیے عبدالملک نے مجھے اپنی لڑکی فاطمہ کو دے دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پوچھا کہ وہ عامل کیا ہوا بولی کہ "مر گیا، البتہ اس کی اولاد موجود ہے جن کا حال نہایت برا ہے"؛ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فوراً ان کو طلب کر کے ان کا تمام مال مع اس لونڈی کے واپس کر دیا، لونڈی چلنے لگی تو بولی کہ آپ کے عشق کا کیا ہوا؟ بولے وہ اب تک ہے بلکہ اور بڑھ گیا ہے[2]۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اموال وطبقات ابن سعد وسیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ کے انیسویں باب میں یہ تمام تفصیل ہے۔ طبقات میں جس طرح فدک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قبضہ میں آیا، اس کی تفصیلی تاریخ بھی لکھی ہے۔
[2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۵۶۔

Marfat.com

فاطمہ کے پاس ایک نہایت قیمتی جواہر تھا جس کو عبدالملک نے دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے کہا کہ "تم کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو اس کو واپس کر دو یا مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ۔" انھوں نے کہا کہ "میں آپ کو اس پر اور اس سے کئی گنے بیش قیمت جواہرات پر ترجیح دیتی ہوں" چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا ان کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو اس نے اس جواہر کو پھر فاطمہ کو دینا چاہا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔[1]

عنبسہ بن سعید بن العاص ان کے ایک دوست تھے جن کو سلیمان بن عبدالملک نے ۲۰ ہزار دینار دلوانے کا حکم دیا تھا اور تمام دفتری کارروائی مکمل ہو چکی تھی کہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو وہ ان کے پاس آئے اور دوستانہ تعلقات کی بناء پر اس کا مطالبہ کیا، لیکن انھوں نے کہا کہ ۲۰ ہزار دینار تو مسلمانوں کے چار ہزار گھروں کے لیے کافی ہو سکتے ہیں۔ میں صرف ایک آدمی کو کیوں کر دلوا دوں؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی جاگیر میں جبل الورس ایک پہاڑ تھا، انھوں نے طنزاً کہا کہ "پھر جبل الورس کو خود کیوں لیتے ہو" بولے تمہارے طعنے نے مجھ کو یاد دلا دیا ورنہ میں اس کو بھول گیا تھا۔ اس کے بعد عبدالعزیزؒ کی جاگیر کی تمام دستاویزوں کو منگوا کر چاک کر دیا۔[2]

اس کے بعد عام طور پر لوگوں کے اموالِ مغصوبہ واپس دلائے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ سے لے کر ان کے زمانہ تک جو جائدادیں غصب کر لی گئی تھیں انھوں نے سب واپس دلا دیں اور یہ سلسلہ تا دمِ مرگ قائم رہا۔ حقوق کی واپسی کے لیے کسی قطعی شہادت یا حجت کی ضرورت نہ تھی، بلکہ جو شخص دعویٰ کرتا تھا معمولی سے معمولی ثبوت پر اس کا مال واپس مل جاتا تھا۔[3] ایک بار بدوؤں نے دعویٰ کیا کہ انھوں نے ایک قطعۂ زمین آباد کیا تھا جس کو عبدالملک نے اپنی بعض اولاد کو دے دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "زمین خدا کی زمین ہے اور بندے خدا کے بندے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۰۶ ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۵۲۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ

Marfat.com

جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اس کا مستحق ہے۔" یہ کہہ کر زمین بدوؤں کو واپس دلادی۔

ان ذاتی سرگرمیوں کے ساتھ امراء و عمال کو ہدایتیں بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اسی مستعدی کے ساتھ اموالِ مغصوبہ کو واپس دلائیں۔ ابو الزناد کا بیان ہے کہ عراق میں ہم کو حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے لکھا کہ ہم اہلِ حقوق کے حقوق واپس دلا دیں۔ چنانچہ ہم نے اس کام کو شروع کیا تو عراق کا بیت المال بالکل خالی ہو گیا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو شام سے روپیہ بھیجنا پڑا۔ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیزؓ کی کوئی تحریر ایسی نہیں آتی تھی جس میں اموالِ مغصوبہ کی واپسی، احیائے سنّت، اماتت بدعت، یا تقسیم و تقرری عطیہ کی ہدایت درج نہ ہو۔ ایک بار ان کو لکھ بھیجا کہ دفتروں کا جائزہ لیں اور قدیم عمال نے کسی مسلمان یا ذمی پر ظلم کیا ہو تو اس کا مال واپس کر دیں اور اگر وہ خود زندہ نہ ہو تو اس کے ورثہ کو دے دیں۔[1]

(جو عمال ان کے اس حکم میں لیت و لعل کرتے تھے، ان سے بہت ناراض ہوتے تھے، عروہ یمن کے عامل تھے۔ ایک بار انھوں نے اس معاملہ میں لیت و لعل کی تو ان کو لکھا کہ "میں تم کو لکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اموالِ مغصوبہ واپس کر دو اور تم اس کے متعلق مجھ سے سوال و جواب کرتے ہو، تمھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ میرے اور تمھارے درمیان کس قدر بعد مسافت ہے اور تم کو اپنی موت کے وقت کی بھی خبر نہیں، اگر میں تم کو لکھتا ہوں کہ ایک مسلمان کی غصب شدہ بکری واپس کر دو تو تم لکھتے ہو کہ وہ بھوری ہو یا سیاہ۔ مسلمانوں کا مال واپس کر دو اور مجھ سے اس معاملہ میں خط و کتابت نہ کرو۔[2])

بعض عمال جو ان کی طرف سے مقرر ہو کر جاتے تھے وہ خود اطلاع دیتے تھے کہ ہم سے پہلے جو عمال تھے، انھوں نے بجبر خدا کا مال غصب کر لیا تھا، اگر امیر المومنین کا ارشاد ہو تو یہ مال ان سے بجبر ضبط کر لیا جائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ان کو حکم لکھوا دیتے تھے کہ اس معاملہ میں مجھ سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں، اگر شہادت ہو تو شہادت کی رو سے اور

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؓ ص ۲۵۲۔ [2] سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ص ۹۷۔

Marfat.com

اقرار ہو تو اقرار کے رو سے مال واپس لو ورنہ حلف لے کر چھوڑ دو۔ عدی بن ارطاط اور عبدالحمید کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔[۱]

بیت المال سے جو رقمیں واپس دلانی تھیں ان کے متعلق پہلے یہ حکم دیا تھا کہ جب وہ بیت المال میں داخل ہیں اسی وقت سے ان کی زکواۃ وصول کی جائے لیکن بعد کو یہ حکم منسوخ کر دیا اور صرف ایک سال کی زکواۃ لی۔[۲]

اموالِ مغصوبہ کی واپسی کا اثر خاندانِ بنو امیّہ پر

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اس طرزِ عمل کا اثر مختلف گروہوں پر مختلف پڑا۔ خوارج کے فرقہ نے جو ہمیشہ خلفاء کے مقابلہ میں علمِ بغاوت بلند کرتا رہتا تھا، اس عدل و انصاف کا حال سنا تو سب نے مجتمع ہو کر صاف کہہ دیا کہ اب اس شخص سے جنگ کرنا ہمارے لیے مناسب نہیں۔[۳] لیکن تمام خاندان دفعتہً برہم ہو گیا۔ اولاً تو ذاتی جائیداد کا ہاتھ سے نکل جانا خود اشتعال کا سبب ہو سکتا تھا اس کے ساتھ قدیم تفوّق و امتیاز نے ان کے لیے مساوات کو بالکل خوابِ فراموش بنا دیا تھا اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ ایک سطح پر دوش بدوش کھڑا ہوا پایا تو ان کو اپنی سخت ذلت محسوس ہوئی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اس طرزِ عمل سے ان لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے پہلے خلفائے بنو امیہ نے جو روش اختیار کی تھی وہ شرعاً ناجائز اور عدل و انصاف کے مخالف تھی۔ اس لیے اس خاندان کو اپنے پورے سلسلہ کا دامن داغدار نظر آتا تھا۔ چنانچہ اس خاندان کے مختلف افراد نے مختلف طریقوں سے خود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔

ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تمام مروانی خاندان کو جمع کر کے کہا کہ "اے بنی مروان تم کو بہت سے حصّے بہت سی عزّتیں اور بہت سی دولت ملی تھی اور میں خیال کرتا ہوں کہ تمام امت کا نصف یا ثلث مال تمھارے قبضہ میں آگیا تھا۔" سب نے یہ سن کر خاموشی اختیار کی۔ حضرت عمر

---

[۱] سیرت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۸۴۔ [۲] طبقات تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۵۲۔ [۳] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ

Marfat.com

ہا کہ "جواب دو"۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "جب تک ہمارا سر ہمارے دھڑ سے الگ
جائے ہم نہ اپنے آباء و اجداد کی تکفیر کر سکتے ہیں نہ اپنی اولاد کو محتاج بنا سکتے ہیں"۔ ایک دن حضرت
بن عبد العزیزؒ ہشام بن عبد الملک کے سامنے گزشتہ مظالم کا ذکر کر رہے تھے۔ ہشام بے اختیار
اٹھا کہ "خدا کی قسم ہم نہ اپنے آباء و اجداد پر عیب لگا سکتے ہیں، نہ اپنی قوم میں اپنی عزت کو برباد
سکتے ہیں"۔

ایک دن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے بہت سی لونڈیاں پیش کی جا رہی تھیں۔
اتفاق سے عباس بن الولید بن عبد الملک بھی اس موقع پر موجود تھا اور جب کوئی دلفریب
ی سامنے سے گزرتی تھی تو کہتا تھا کہ "اے امیر المومنین! اس کو خود لے لیجئے"۔ جب اس نے
بار اس فقرے کا اعادہ کیا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ "تم مجھے زنا کی ترغیب
تے ہو؟" عباس وہاں سے اٹھا اور خاندان کے چند افراد سے کہا کہ "ایسے شخص کے دروازے
وں بیٹھے ہو جو تمہارے آباء و اجداد کو زانی کہتا ہے"۔

ان اسباب سے تمام مروانی خاندان نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اس عادلانہ طرز عمل
نہایت ناپسندیدگی کے ساتھ دیکھا اور ان کو مختلف طریقوں سے روکنا چاہا۔ عمر بن الولید
عبد الملک نے ان کو ایک نہایت سخت خط لکھا، جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"تم نے گزشتہ خلفاء پر عیب لگایا ہے اور ان کی، اور ان کی اولاد کی دشمنی
سے ان کے مخالف روش اختیار کی ہے، تم نے قریش کی دولت اور ان کی میراث
کو ظلم و عدوان سے بیت المال میں داخل کر کے قطع رحم کیا ہے۔ اے عبد العزیز
کے بیٹے خدا سے ڈرو اور اس کا خیال کرو کہ تم نے ظلم کیا ہے، تم نے منبر
پر بیٹھنے کے ساتھ ہی اپنے خاندان کو ظلم و جور کے لیے مخصوص کر لیا، اس
خدا کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی خصوصیات کے ساتھ مختص
کیا تم اپنی اس حکومت میں جس کو تم مصیبت کہتے ہو، خدا سے بہت دور ہو گئے

Marfat.com

اپنی خواہشوں کو روکو اور یقین کرو کہ تم ایک جبّار کے سامنے اور اس کے قبضہ میں ہو اور اس حالت پر چھوڑے نہیں جا سکتے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اگرچہ سراپا علم تھے تاہم انھوں نے اس معاملہ میں کسی قسم کی نرمی اختیار نہیں کی اور اس کو نہایت سخت جواب لکھا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"مجھے تمھارا خط ملا اور جیسا تم نے لکھا ہے میں ویسا ہی جواب دوں گا۔ تمہاری ابتدائی حالت یہ ہے کہ تمھاری ماں بنانہ سکون کی لونڈی ہے، جو حمص کے بازاروں میں ماری ماری پھرتی تھی اور شراب کی دوکانوں میں جایا کرتی تھی۔ اس کو ذبیان بن ذبیان نے مسلمانوں کے مالِ غنیمت سے خریدا اور تمھارے باپ کو ہدیۃً دیا اسی سے تم پیدا ہوتے تو کس قدر بُری ہے ماں اور کس قدر بُرا ہے بچہ۔ اس کے بعد تم نشو ونما پا کر ایک معاند اور ظالم ہوئے۔ تمھارا خیال ہے کہ میں ظالموں میں سے ہوں۔ میں نے تم کو اور تمھارے خاندان کو خدا کے مال سے جس میں اہلِ قربیٰ، مساکین اور بیواؤں کا حق ہے محروم کر دیا، لیکن مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کو چھوڑنے والا وہ شخص ہے جس نے تم کو بچپن اور سفاہت کی حالت میں مسلمانوں کی ایک چھاؤنی کا افسر مقرر کیا اور تم اپنی رائے کے موافق ان کے معاملات کا فیصلہ کرتے رہے۔ اس تقرر کا بجز محبت پدری کے اور کوئی مقصد نہ تھا، پس پھٹکار ہو تجھ پر اور پھٹکار ہو تیرے باپ پر۔ قیامت کے دن تمہارے کس قدر مدعی ہوں گے اور تمھارا باپ اپنے مدعیوں سے کیوں کر نجات پائے گا۔

مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کو چھوڑنے والا وہ شخص ہے جس نے حجاج کو عرب کے خمس پر مقرر کیا جو حرام خون بہاتا تھا اور حرام مال لیتا تھا۔

Marfat.com

مجھ سے زیادہ ظالم اور مجھ سے زیادہ خدا کے عہد کا چھوڑنے والا وہ شخص ہے جس نے قرہ بن شریک جیسے اجڈ بدو کو مصر کا عامل مقرر کیا، جس نے راگ، باجے، لہو ولعب اور شراب خوری کی اجازت دی، مجھ سے زیادہ ظالم اور خدا کے عہد کو چھوڑنے والا وہ شخص ہے جس نے عرب کے خمس پر عالیہ بربریہ کا حصہ مقرر کیا۔

اگر مجھے فرصت ہوتی تو میں تجھ کو اور تیرے خاندان کو روشن راستے پر لاتا۔ ہم نے مدتوں سے حق چھوڑ دیا، اگر تم فروخت کئے جاؤ اور تمہاری قیمت یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں پر تقسیم کی جائے تو کافی نہ ہو گی، کیونکہ تم میں سب کا حق ہے، ہم پر سلام ہو۔ خدا کا سلام ظالموں کو نہیں پہنچتا۔"

(ایک بار تمام خاندان نے ان کی خدمت میں ہشام بن عبدالملک کو اپنا وکیل بنا کر روانہ کیا۔ ہشام نے آکر کہا کہ "اے امیرالمومنین! میں آپ کی خدمت میں آپ کے تمام خاندان کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں اور ان کے دل کی بات کہتا ہوں، وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنی زیر حکومت چیزوں سے متعلق اپنے طریقہ پر عمل کیجئے لیکن ان کے قدیم حقوق کو قائم رہنے دیجئے۔" حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا کہ "اگر تمھارے سامنے ایک معاملہ کے متعلق دو دستاویز پیش کئے جائیں جن میں ایک معاویہؓ کا لکھا ہوا اور ایک عبدالملک کا تو تم دونوں میں سے کس پر عمل کرو گے؟" ہشام نے کہا "جو مقدم ہو گا۔ اس پر عمل کریں گے۔" اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا، "تو میں کتاب اللہ کو سب سے مقدم پاتا ہوں اور میں اسی پر ہر اس شخص کو اور ہر اس چیز کو جو میرے زیر حکومت ہے، میرے پہلے خلفاء کے زیر حکومت تھی، چلانے کی کوشش کروں گا۔"

اس پر سعید بن خالد بن عمر ابن عثمان نے کہا کہ جو چیزیں آپ کے زیر فرمان ہیں ان پر حق و انصاف کے ساتھ حکومت کیجئے۔ لیکن گزشتہ خلفاء کی بھلائی یا برائی کو اپنے حال پر رہنے دیجئے اور یہ آپ کے لیے کافی ہو گا۔"

Marfat.com

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ " اگر ایک شخص چند چھوٹے بڑے بچے چھوڑ کر مر جائے اور بڑے لڑکے چھوٹے بچوں کی دولت خود صرف کر ڈالیں اور چھوٹے بچے تمہارے سامنے ان کے طرزِ عمل کی شکایت کریں تو تم کیا کرو گے ؟" خالد نے کہا " میں ان کے تمام حقوق واپس دلا دوں گا۔" حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا " میرے نزدیک بہت سے خلفاء اور ان کے اتباع نے لوگوں پر زبردستی کی اور جب میں خلیفہ ہوا تو ان لوگوں نے مجھ سے داد رسی چاہی اور میں نے اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں دیکھی کہ قوی سے لے کر ضعیف کو واپس دلاؤں۔" خالد اس مؤثر تقریر کو سن کر بول اٹھا کہ " خدا امیر المومنین کو توفیق دے۔"

ایک بار تمام خاندان کے لوگ ان کے دروازے پر جمع ہوئے اور ان کے صاحبزادے عبد الملک سے کہا کہ " یا تو ہمیں باریابی کی اجازت دلواؤ یا خود ہمارا پیغام امیر المومنین تک پہنچا دو۔ انھوں نے پیغام پہنچانے پر ہامی بھری تو سب نے ان سے کہا کہ ان سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ہم کو عطیہ دیتے تھے اور ہمارے مراتب کا لحاظ رکھتے تھے لیکن تمہارے باپ نے ہم کو بالکل محروم کر دیا۔ انھوں نے جا کر یہ پیغام سنایا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ جا کر کہہ دو کہ میرا باپ کہتا ہے کہ اگر میں اپنے خدا کی نافرمانی کروں تو قیامت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

جب سب نے آخری تدبیر یہ کی کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی پھوپھی کو ان کی خدمت میں بھیجا۔ وہ آئیں تو کہا کہ " تمہارے قرابت دار شکایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے ان سے غیر کی دی ہوئی روٹی چھین لی۔" حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بولے کہ " میں نے ان کا کوئی حق نہیں روکا۔" وہ بولیں کہ سب لوگ اس کے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ تمہارے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ " اگر میں قیامت کے سوا کسی دن سے ڈروں تو خدا مجھے اس کی برائیوں سے نہ بچائے۔ اس کے بعد ایک اشرفی، گوشت کا ایک ٹکڑا اور ایک انگیٹھی منگوائی اور اشرفی کو آگ میں ڈال دیا جب وہ خوب سرخ ہو گئی تو اس کو اٹھا کر گوشت کے ٹکڑے پر رکھ دیا جس سے وہ بھن گیا۔ اب پھوپھی کی طرف مخاطب ہو کر

کہا کہ اپنے بھتیجے کے لیے اس قسم کے عذاب سے پناہ نہیں مانگتیں ؟

دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ "اے پھوپھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایک نہر چھوڑ دی۔ پھر ایک شخص (ابو بکرؓ) اس نہر کا مالک ہوا جس نے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا، پھر ایک دوسرا شخص (عمرؓ) اس نہر کا مالک ہوا اور اس نے اس سے ایک چھوٹی سی نہر نکالی۔ اس کے بعد اور لوگوں نے اس سے متعدد نہریں نکالیں یہاں تک کہ اس میں ایک قطرہ پانی نہ رہا اور وہ بالکل خشک ہوگئی۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو تمام نہروں کو پاٹ کر پہلی نہر کو جاری کر دوں گا۔"

اگرچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ پر ان شورشوں اور ان سفارشوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تاہم انھوں نے مختلف اخلاقی طریقوں سے اپنے خاندان کی ناراضی کو کم کیا۔ ایک بار سلیمان ابن عبد الملک کا صاحبزادہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی جاگیر کی واپسی کا مطالبہ کیا اور آستین سے ایک تحریر نکالی جس کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے پڑھ کر کہا کہ یہ زمین کس کی ہے ؟ اس نے کہا حجاج کی۔ بولے "تو مسلمان اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔" اس نے کہا "اے امیر المومنین آپ میری دستاویز کو واپس کر دیجئے۔ بولے کہ" اگر تم خود اس کو نہ لائے ہوتے تو میں اس کو تم سے نہ مانگتا۔ لیکن اب جب کہ تم خود اس کو لائے ہو تو میں تم کو اجازت نہ دوں گا کہ بطریق باطل اس کے ذریعہ سے مطالبہ کرو وہ یہ سن کر رو پڑا۔

ایک دن چند مروانیوں کو اپنے یہاں روک رکھا اور باورچی سے کہہ دیا کہ کھانے میں جلدی نہ کرنا، دن چڑھ گیا تو یہ لوگ بھوک سے بیتاب ہو گئے اور باورچی سے کھانے کا تقاضا کیا، اس نے ان کو ستو اور کھجوریں کھلائیں جب وہ لوگ ان چیزوں کو پیٹ بھر کے کھا چکے تو باورچی کھانا لایا، لیکن ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بار بار اصرار کیا لیکن ان لوگوں نے کہا کہ اب ہم کھا ہی نہیں سکتے۔ اب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا تو پھر آگ میں کیوں گھستے ہو؟ یعنی جب اس قدر سادہ غذا انسان کے لیے کافی ہو سکتی ہے تو وہ پیٹ بھرنے

Marfat.com

کے لیے ناجائز ذریعۂ معاش کیوں اختیار کرتا ہے، یہ کہہ کر خود روئے اور لوگوں کو بھی رُلایا۔[1]

غزوات و فتوحات حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اگرچہ اسلام کی تاریخ میں بحیثیت ایک فاتح کے مشہور نہیں ہیں۔ تاہم ان کا عہدِ حکومت فوجی ہنگامہ آرائیوں سے بالکل خالی نہیں ہے ان کے زمانے میں جو لڑائیاں پیش آئیں، ان کا سلسلہ ان کی خلافت کے ساتھ شروع ہوا اور ان کی وفات تک قائم رہا۔ روم کو سلیمان بن عبد الملک کے زمانے میں جو فوج بھیجی گئی تھی وہ رسد کی کمی سے سخت مصیبت میں مبتلا تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اس فاقہ مست فوج کی طرف نہایت مستعدی کے ساتھ توجہ کی۔ پانچ سو عمدہ گھوڑے اور کافی غلہ روانہ کیا اور تمام مسلمانوں کو فوجی اعانت کی طرف توجہ دلائی اور مسلمہ بن عبد الملک کو تمام فوج کے ساتھ واپس بلا لیا۔[2]

اسی سال ترکوں نے آذربائیجان پر حملہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کو قتل اور بہت سے مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس فتنہ کے انسداد کے لیے ابن حاتم ابن النعمان الباہلی کو روانہ کیا، انھوں نے جاکران کی جماعت کے اکثر افراد کو تہ تیغ کر دیا اور حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ کی خدمت میں پچاس آدمیوں کو قید کرکے روانہ کیا۔[3]

مغربی مہم یعنی اندلس وغیرہ کی طرف انھوں نے جو فوجیں روانہ کیں، ان کے لیے نہایت کثرت سے ساز و سامان مہیا کیے، چنانچہ ایک افسر فوج کو لکھا کہ "جب مغربی مہم پیش آئے تو کسی شخص کو وہاں جانے کی اس وقت تک اجازت نہ دو جب تک وہ جماعت ساز و سامان اور پیادہ و سوار سپاہیوں کی پشت پناہی سے قوت کا کافی سرمایہ فراہم نہ کرے تاکہ واپس آئیں تو سب صحیح و سلامت واپس آئیں اور ہلاک ہوں تو سب ہوں۔"[4]

ہندوستان میں خلفائے بنو امیہ کی فوجی ہنگامہ آرائی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور

---

[1] یہ تمام واقعات سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ کے بیسویں باب میں مذکور ہیں بعض واقعات طبقات ابن سعد میں بھی ہیں۔

[2] تاریخ طبری ص ۱۳۴۶ و سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۵۶۔ [3] طبری ص ۱۳۴۶۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۶۰ و ۲۶۱۔

حکومت سے بہت پہلے شروع ہو گئی تھی اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے بھی ان فتوحات کے حدود میں کسی قدر اضافہ کیا۔ چنانچہ عمرو بن مسلم الباہلی نے جو ہندوستان میں حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا عامل تھا، ہندوستان کے بعض حصّوں پر فوج کشی کی اور فتوحات حاصل کیں[1]

(یہ وہ لڑائیاں ہیں جو غیر قوموں کے مقابل میں پیش آئیں۔ لیکن ۱۰۰ھ میں عراق میں فرقہ حرذیہ نے خروج کیا، چونکہ یہ مسلمانوں کا مقابلہ مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ اس لیے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے اپنے عامل عبد الحمید کو لکھا کہ جب تک یہ لوگ خونریزی اور فتنہ و فساد نہ کریں ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ ایک مستقل مزاج اور دور اندیش آدمی کے ساتھ فوج بھیج دی جائے اور میرا یہ حکم سنا دیا جائے۔ عبد الحمید نے محمد بن جریر بن عبد اللہ البجلی کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا حکم سنا کر روانہ کر دیا اس کے ساتھ خود حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے بسطام کو جو خوارج کا سردار تھا ایک خط لکھا جس میں اس کو ان الفاظ میں دعوتِ اصلاح دی اور اس کے خروج کا سبب پوچھا:۔

"مجھے معلوم ہوا کہ تم نے خدا اور اس کے رسول کی حمایت میں خروج کیا ہے لیکن تم کو اس کا مجھ سے زیادہ حق نہیں ہے آؤ ہم تم باہم مناظرہ کر لیں اگر ہم حق پر ہوں تو تمام لوگوں کی طرح حلقۂ اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور اگر تم حق پر ہو تو ہم اپنے معاملہ پر غور کریں۔")

بسطام نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ آپ نے جو کچھ کیا، اقتضائے انصاف یہی تھا، میں آپ کی خدمت میں دو شخص بھیجتا ہوں جو آپ سے مناظرہ کریں گے۔ چنانچہ یہ دونوں شخص آئے اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے سوال کیا کہ آپ نے اپنے بعد یزید کو کیوں خلیفہ مقرر کیا؟ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جواب دیا کہ "اس کو دوسرے نے خلیفہ بنایا ہے۔" اس نے کہا کہ "اگر کسی دوسرے کا مال آپ کی ولایت میں آئے اور آپ اس کو ایک غیر متدین شخص کے حوالے

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۴۷۔

Marfat.com

کردیں تو کیا آپ نے حق امانت ادا کر دیا؟" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے جواب کے لیے تین دن کی مہلت مانگی اور وہ دونوں ان کے پاس سے چلے گئے۔[1]

(طبقات ابن سعد میں عون بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خوارج کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ پر تمھارا کیا اعتراض ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو ان پر صرف یہ اعتراض ہے کہ وہ اپنے خاندان کے گزشتہ خلفا پر لعنت نہیں بھیجتے اور یہ ان کی کمزوری ہے)[2]

سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ میں اس کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ یحییٰ غسانی نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اطلاع دی کہ موصل کے اطراف میں حوریہ فرقہ کے چند لوگ جمع ہوتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو لکھا کہ ان میں سے چند مناظر ڈاک کی سواری پر بھیج دیے جائیں! انھوں نے اس قسم کے چند اشخاص بھیجے اور ان لوگوں نے آکر کہا کہ "جب تک آپ اپنے خاندان والوں کی تکفیر نہ کریں، ان پر لعنت نہ بھیجیں، ان سے ابتری نہ کریں، ہم آپ کی اطاعت نہیں کر سکتے۔" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ "خدا نے مجھ کو لعنت بھیجنے کے لیے نہیں پیدا کیا ہے۔ البتہ اگر ہم اور تم زندہ رہے تو میں تم کو اور اپنے خاندان کو راہِ راست پر لاؤں گا۔" لیکن جب انھوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا "تمھارے مذہب میں سچ کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے، بتاؤ تم نے کب سے یہ مذہب اختیار کیا ہے۔ انھوں نے سالوں کی تعداد بتائی بولے تو کیا تم نے فرعون پر لعنت بھیجی اور اس سے ابتری کی! انھوں نے کہا نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا "تو تم نے اس کو کیوں کر چھوڑ دیا؟ میرے خاندان میں تو میرے سے پہلے ہر قسم کے برے بھلے لوگ تھے تو کیا ان سے چشم پوشی کرنا میرے لیے جائز نہ تھا۔ اس بحث و مباحثہ کے بعد ان کو ایک خط لکھا جس میں ان الفاظ میں دعوتِ اصلاح دی:۔

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] طبری ص ۱۳۴۸ و ۱۳۴۹ ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۶۴۔

ادع الی السبیل ربك بالحكمة	اپنے خدا کے راستے کی طرف لوگوں
والموعظة الحسنة وجادلهم	کو حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ
بالتی هی احسن۔	دعوت دو اور ان سے بہتر طریقہ سے مباحثہ کرو۔

"اور میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں کہ تم اپنے ان بزرگوں کے سے کام کرو جو اپنے ملکوں سے شیخیاں مارتے ہوئے اور لوگوں کے سامنے اپنی نمائش کرتے ہوئے نکلے۔ وہ لوگ خدا کی راہ سے روکتے تھے اور جو کچھ وہ لوگ کرتے تھے خدا ان پر حاوی تھا۔ کیا تم میرے گناہ کی وجہ سے اپنے دین سے نکل رہے ہو، خونریزی کرتے ہو اور محرمات کی ہتک کرتے ہو؟ اگر ابو بکرؓ اور عمرؓ کے گناہ رعایا کو ان کے دین سے خروج کرنے پر آمادہ کرتے تو ان کے بھی گناہ تھے لیکن تمھارے آباء و اجداد ان کی جماعت میں تھے اور وہ اس سے نہیں نکلے۔ پھر تم جو چالیس پچاس آدمی ہو کیوں مسلمانوں کے مقابل میں خروج کرتے ہو؟ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم لوگ میری اولاد ہوتے اور میں جس امر حق کی طرف دعوت دیتا ہوں، اس سے روگردانی کرتے تو میں خالصۃً لوجہ اللہ تمھارا خون بہاتا۔ یہ میری نصیحت ہے۔ اگر اس پر بھی تم نے ظلم کیا تو نصیحت کرنے والوں پر ہمیشہ ظلم کیا گیا ہے۔"[1]

اس کے ساتھ اپنے عامل کو لکھا کہ "اگر وہ کسی ذمّی یا مسلمان سے تعرّض کئے بغیر ممالک محروسہ میں پھرتے ہیں تو ان کو اختیار ہے کہ جہاں چاہیں جائیں لیکن اگر انھوں نے کسی ذمی یا مسلمان کے جان و مال سے تعرض کیا تو ان کے معاملہ کا فیصلہ خدا سے چاہو"، لیکن خوارج پر اس بحث و مباحثہ اور وعظ و پند کا کچھ اثر نہ ہوا۔ انھوں نے لوگوں کے مال و دولت پر دستِ تطاول دراز کیا اور ڈاکے ڈالے۔ اب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حسب ذیل پابندیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی۔[2]

۱۔ عورت، بچے، قیدی قتل نہ کئے جائیں اور بھاگنے والوں اور زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔

---

[1] سیرت حضرت عمر بن عبد العزیز ص ۷۷، ۷۸۔ [2] ایضاً ص ۷۸۔

Marfat.com

۲۔ فتح کے بعد جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے وہ ان کے اہل وعیال کو واپس دے دیا جائے۔

۳۔ قیدی اس وقت تک مقید رکھے جائیں جب تک وہ راہِ راست پر نہ آجائیں۔

ان پابندیوں کے ساتھ عبدالحمید نے ان پر حملہ کیا اور سوئے اتفاق سے شکست کھائی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو شکست کا حال معلوم ہوا تو مسلمہ بن عبدالملک کی سپہ سالاری میں اہلِ شام کی ایک فوج مرتب کر کے بھیجی اور مسلمہ نے چند ہی روز میں ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔[1]

(حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے کارنامہائے جنگ میں بحری لڑائیوں کا مطلق پتہ نہیں چلتا بلکہ زرقانی میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے سے بحری لڑائیوں کا جو سلسلہ شروع ہو کر برابر قائم رہا، اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بالکل روک دیا۔ لیکن علامہ ابن عبدالبر نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بحری تجارت کی روک ٹوک کی تھی۔ جہاد اور حج کے لیے وہ اس کی ممانعت نہیں کر سکتے تھے۔[2] بہرحال حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا بحری کارنامہ صرف یہ ہے کہ جب ذمیوں نے ۱۰۰ھ میں لاذقیہ کے ساحل پر حملہ کر کے شہر کو برباد کر دیا اور باشندوں کو گرفتار کر کے لے گئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے شہر کی آبادی اور ساحل کی قلعہ بندی کا حکم دیا اور قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ بھیجا۔ لیکن ۱۰۱ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور یزید بن عبدالملک نے اس کام کو پورا کیا لیکن دوسری روایت میں ہے کہ شہر کی تعمیر اور قلعہ بندی کا کام خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ہی کے عہد میں مکمل ہو گیا تھا۔[3])

عمّال کی معزولی (بنو امیہ کی جابرانہ حکومت کا اثر صرف انہی تک محدود نہ تھا، بلکہ ان سے زیادہ ان کے عمّال رعایا کی خون آشامی کے خوگر ہو گئے تھے۔ اس لیے جب تک اس قسم کے عمّال کو عبرت انگیز طریقے سے معزول نہ کیا جاتا وہ نظامِ سلطنت قائم نہ ہو سکتا تھا، جس کا سنگِ بنیاد حضرت عمر ابن عبدالعزیزؓ عدل وانصاف کی سطح پر رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اموالِ مغصوبہ کی واپسی کے بعد اس قسم کے اجزا کو اس عادلانہ نظامِ حکومت کی ترکیب سے

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۶۴۔ [2] زرقانی شرح موطا ج ۲ ص ۳۲۲۔ [3] فتوح البلدان ص

الگ کرنا چاہا اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے یزید بن مہلب کو معزول کیا۔ یزید بن مہلب کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ابتدا ہی سے ناپسند فرماتے تھے اور یزید بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ریاکار خیال کرتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے سنہ ۱۰۱ھ میں اس کو لکھا کہ "تم کسی کو اپنی گورنری پر مامور کر کے چلے آؤ"۔ یزید اس حکم کے مطابق اپنے لڑکے مخلد کو اپنا قائم مقام کر کے مع کل ساز و سامان کے خراسان[۱] سے واسط آیا اور واسط سے کشتی میں سوار ہو کر بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن ارطاۃ کے نام اس کی گرفتاری کا فرمان پہلے ہی سے بھیج دیا تھا۔ چنانچہ عدی نے موسیٰ بن الوجیہ الحمیری کو اس کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا اور اس نے نہر معقل میں بصرہ کے پل کے پاس اس کو گرفتار کیا اور وہاں سے عدی نے اس کو پابہ زنجیر دارالخلافت کی طرف روانہ کیا۔ یزید حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ "مجھے سلیمان بن عبدالملک کے نام تمھارا ایک خط ملا ہے جس میں تم نے لکھا ہے کہ دو کروڑ کی رقم جمع ہوئی ہے، اب وہ رقم کہاں ہے؟ اس نے پہلے تو انکار کیا۔ لیکن پھر کہا کہ "مجھے اجازت دیجئے کہ میں لوگوں سے لے کر یہ رقم واپس کر دوں"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ ایک بار تو لے چکے، اب پھر دوبارہ انھی سے لینا چاہتے ہو؟ یہ یعقوبی کی روایت ہے[۲]۔ لیکن تاریخ طبری میں ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس سے اس رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ "سلیمان کے دربار میں مجھے جو درجہ حاصل تھا، آپ کو معلوم ہے، میں نے سلیمان کو اس رقم کی اطلاع اس غرض سے دی تھی کہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو جائے۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ سلیمان مجھ سے اس کا مطالبہ نہ کرے گا"۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ "خدا سے ڈرو اور اپنی امانت ادا کرو۔ یہ مسلمانوں کے حقوق ہیں اور میں ان کو واگذاشت نہیں کر سکتا"۔ یہ کہہ کر اس کو قید خانے میں

---

[۱] یعقوبی میں ہے کہ وہ کل ساز و سامان لے کر اس لیے روانہ ہوا تھا کہ اس کو خراسان والوں پر اطمینان نہ تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود اہل خراسان اس سے برگشتہ تھے۔ [۲] یعقوبی جلد ۲ مطبوعہ یورپ ص ۳۶۲۔

Marfat.com

بھیج دیا[1] اور جراح بن عبداللہ الحکمی کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا۔

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ جب جراح کو خراسان کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا تو یہ حکم د[یا] کہ مخلد کو پابند سلاسل لیکن اس طرح کہ بیڑیاں نماز کے ادا کرنے میں خلل انداز نہ ہوں، کر کے دربار خلافت میں روانہ کر دو۔ جراح نے اس کو نہایت عزت کے ساتھ گرفتار کر کے روا[نہ] کیا۔ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سر پر سفید ٹوپی تھی اور دامن زمین یا گھٹنوں سے اونچے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ہم تک جو خبر[یں] پہنچی ہیں، تمھاری وضع اس کے خلاف نظر آتی ہے۔ مخلد نے کہا ہم تو خلفاء کے مقلد ہیں اگر تمھا[رے] دامن دراز ہوں گے تو ہم بھی دامن لٹکائیں گے، اگر تم دامن کو اونچا رکھو گے تو ہم بھی اس کو اونچ[ا] رکھیں گے۔"[2]

لیکن تاریخ طبری میں ہے کہ جب جراح خراسان پہنچے تو مخلد وہاں سے روانہ ہوا اور جس ضلع سے گزرا، وہاں کے لوگوں کو نہایت فیاضی کے ساتھ روپے دیئے۔ حضرت عمر ابن عبدال[عزیز] کی خدمت میں حاضر ہوا تو حمد و نعت کے بعد عرض کی کہ "خدا نے آپ کو خلیفہ بنا کر تمام امت پر احسا[ن] کیا۔ صرف ہم لوگ آپ کی وجہ سے مبتلائے مصیبت ہوتے، ہم کو آپ کی خلافت میں گرفتا[ر] مصائب نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ نے اس بڈھے (یزید) کو کیوں قید کیا ہے؛ اس پر جو مطالبہ عائد ہوتا ہے میں ادا کرتا ہوں، آپ مجھ سے مصالحت کیجئے۔" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ "جب تک تم کل مطالبہ ادا نہ کرو گے صلح نہیں ہو سکتی۔" اس نے کہا "اگر آپ کے پاس شہادت ہو تو اس کے مطابق عمل فرمایئے اور اگر شہادت نہ ہو تو یزید کو سچا مانیئے ورنہ اس سے حلف لیجئے، اگر وہ حلف لینے سے انکار کرے تو اس سے صلح کیجئے۔" حضرت عمر بن عبدالعز[یزؒ] نے فرمایا، کل رقم لینے کے سوا کوئی صورت نہیں پاتا۔ اس گفتگو کے بعد مخلد واپس آیا اور چند ہی دنوں کے بعد مر گیا۔ اب یزید نے اس رقم میں سے ایک حبہ کے ادا کرنے سے بھی انکار کیا۔

---

[1] طبری ص ۱۳۵۰۔ [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۶۲۔

Marfat.com

اس لیے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کو اون کا ایک جبہ پہنا کر اونٹ پر سوار کرایا اور دھلک کی طرف جلاوطن کر دیا۔ یزید جب اس حالت میں لوگوں کے سامنے سے گزرا تو بولا کیا میرا کوئی قبیلہ نہیں ہے؟ مجھے کیوں دھلک کی طرف جلاوطن کیا جاتا ہے؟ وہاں تو فاسق، غارت گر اور مشتبہ لوگ بھیجے جاتے ہیں، سبحان اللہ! کیا میرا کوئی قبیلہ نہیں ہے! یزید کی قوم پر ان محرضانہ الفاظ کا اثر پڑا اور وہ نہایت برہم ہوئی۔ سلامہ بن نعیم الخولانی کو اس کا حال معلوم ہوا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یزید کی قوم سخت برہم ہے۔ اگر آپ نے یزید کو روانہ کیا تو وہ اس کو راستے ہی میں چھین لیں گے، اس لیے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کو قید خانے میں واپس بلا لیا اور وہ ان کے مرض الموت کے زمانہ تک قید رہا۔

(حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مرض الموت میں بیمار ہوئے تو یزید بن مہلب کو ایک اور خواب پریشان نظر آیا۔ یزید نے آلِ ابی عقیل پر جو یزید بن عبد الملک کے رشتہ دار تھے، مظالم کیے تھے۔ جس کی پاداش میں یزید بن عبد الملک نے قسم کھائی تھی کہ اگر موقع ملا تو یزید کے چمڑے کو کاٹ کر جوتے کا تلا بناؤں گا۔ اب یزید کو نظر آیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بعد وہی خلیفہ ہو گا اور اس کو اپنی قسم کے پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے گی۔ اس لیے اس نے قید خانہ سے بھاگنے کی تدبیر کی اور اپنے غلاموں یا چچا زاد بھائیوں (موالی) کو کہلا بھیجا کہ اس مقصد کے لیے سواریاں تیار کر رکھیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ زیادہ بیمار ہوتے تو اس نے اونٹ طلب کیے اور قید خانہ سے نکل بھاگا۔ اجتماع کے لیے ایک مقام پہلے سے متعین کر لیا گیا تھا۔ یزید وہاں پہنچا تو ان لوگوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس لیے اس کے رفقاء سخت پریشان ہوئے۔ یزید نے ان کی پریشانی دیکھی تو کہا کیا میں پھر قید خانے میں واپس جاؤں؟ خدا کی قسم میں ایسا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہاں سے پھر اپنی بی بی کو ساتھ سوار کر کے روانہ ہوا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو ایک خط لکھا کہ اگر آپ کی زندگی کا یقین ہوتا تو خدا کی قسم میں نہ بھاگتا، لیکن مجھے یزید بن عبد الملک پر اعتماد نہ تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے یہ خط پڑھا

Marfat.com

تو بولے خدایا! اگر یزید اس امت کے ساتھ برائی کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کے شر سے بچا اور اس کے فریب کو اس کی طرف لوٹا دے۔ یزید بن مہلب بھاگتا ہوا حدث زقاق میں پہنچ جہاں ہذیل بن زفر قبیلۂ قیس کی ایک جماعت کے ساتھ موجود تھا، ان لوگوں نے یزید کا تعاقب کیا اور اس کا کچھ اسباب لوٹ لیا اور چند غلام گرفتار کر لئے۔[1]

(یزید کے بعد جراح ایک سال پانچ ماہ تک خراسان کا گورنر رہا۔ لیکن اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کو بھی معزول کر دیا جس کا سبب یہ ہوا کہ یزید بن مہلب نے اپنے زمانۂ گورنری میں جہم بن زحر کو جرجان کا والی مقرر کیا تھا، لیکن جب یزید گرفتار ہوا تو عراق کے عامل نے جہم کی جگہ ایک دوسرے شخص کو وہاں کا عامل مقرر کر کے بھیجا، جب وہ وہاں پہنچا تو جہم نے اس کو مع رفقاء کے قید کر دیا اور خود پچاس آدمیوں کے ساتھ خراسان کو روانہ ہوا جراح سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ اگر تو میرا چچا زاد بھائی نہ ہوتا تو میں تیری اس حرکت کو گوارا نہ کرتا جہم نے کہا اگر یہ قرابت نہ ہوتی تو میں تمھارے پاس نہ آتا۔ اب جراح نے اس کو اس گناہ کے کفارے کے لیے ایک لڑائی میں بھیج دیا، جہاں سے وہ کامیاب آیا۔ جراح نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اس کامیابی کی اطلاع دی اور تین شخصوں کا وفد بنا کر بھیجا۔ جن میں دو عرب اور ایک مولیٰ تھا۔ وفد دربارِ خلافت میں حاضر ہوا تو دونوں عرب نے گفتگو کی اور مولیٰ خاموش رہا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس سے کہا کہ تم بھی تو وفد میں ہو آخر کیوں نہیں بولتے اب اس نے موقع پا کر کہا کہ یا امیر المومنین ۲۰ ہزار موالی جہاد کرتے ہیں اور ان کو وظیفہ نہیں ملتا اور اسی قدر ذمی مسلمان ہو گئے ہیں اور اب تک ان سے خراج لیا جاتا ہے۔ ہمارا امیر ظالم اور متعصب ہے، منبر پر کھڑے ہو کر کہتا ہے کہ میں مہربان ہو کر آیا تھا اور اب میں عصبی ہوں۔ میری قوم کا ایک آدمی دوسری قوم کے سینکڑوں آدمیوں سے زیادہ مجھ کو محبوب ہے۔ اس کے ظلم کی انتہا یہ ہے کہ اس کے کرتے کی آستین اس کے نصف کرتے

[1] طبری ص ۱۳۵ ر ۱۳۶۔

Marfat.com

تک پہنچتی ہے۔ اب تک حجاج کی ایک تلوار رہی اور ظلم و عدوان پر عمل کرتا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ وفد میں ایسے شخص کو آنا چاہیئے اور جراح کو اسی وقت لکھا کہ جو لوگ قبلہ رُخ نماز پڑھتے ہیں، ان کا جزیہ معاف کر دو۔"

اس حکم کا اعلان ہوا تو اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ لوگوں نے جراح سے کہا کہ لوگ صرف جزیہ کی ناگواری سے اسلام لا رہے ہیں۔ ان کا ختنہ کرو تو ان کی آزمائش ہو سکے گی۔ جراح نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اس کی اطلاع دی تو انھوں نے لکھا کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ خاتن۔ اس کے بعد لوگوں سے کہا کہ ایک ایسے شخص کا نام بتاؤ جس سے میں خراسان کے حالات دریافت کروں۔ لوگوں نے ابو مجلز کا نام بتایا۔ اب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جراح کو لکھا کہ ابو مجلز کو ساتھ لے کر فوراً چلے آؤ۔ جراح عبد الرحمن بن نعیم غامدی کو صیغۂ جنگ کا اور عبد اللہ بن حبیب کو صیغۂ خراج کا افسر مقرر کر کے رمضان ۱۰۰ھ میں روانہ ہوا۔ دربارِ خلافت میں حاضر ہوا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے پوچھا کہ وہاں سے کب روانہ ہوئے؟ بولا، رمضان میں۔ فرمایا کہ جس نے تم کو ظالم کہا، بالکل سچ کہا۔ رمضان گزار کر کیوں نہیں آئے۔ جراح روانہ ہوا تھا تو بیت المال سے ۲۰ ہزار کی رقم بطور قرض کے لی تھی۔ اس لیے اس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے درخواست کی کہ اس کو ادا فرما دیجئے۔ بولے اگر رمضان کے بعد آتے تو میں ادا کر دیتا۔ آخر کار اس کی قوم کے لوگوں نے اپنے وظائف سے یہ رقم ادا کر دی۔

اس شکایت کے علاوہ جراح کے ظلم و عدوان کے ثبوت میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے نزدیک اور قرائن بھی جمع ہو گئے۔ جراح جب اوّل اوّل خراسان میں آیا تھا تو اس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خدمت میں لکھا تھا کہ یہاں کچھ لوگ ہیں جو فتنہ و فساد کر کے حقوق اللہ کو روکنا چاہتے ہیں۔ ان کو اس سے تلوار اور کوڑے کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ لیکن آپ کی اجازت کے بغیر میں اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

Marfat.com

نے لکھا کہ تم ان سے زیادہ فتنہ و فساد پھیلانا چاہتے ہو کسی مسلمان یا ذمّی کو بغیر استحقاق کے ایک کوڑا بھی نہ مارو۔

ان اسباب سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جراح کو خراسان کی گورنری سے معزول کردیا اور عبدالرحمان بن نعیم کو صیغۂ جنگ اور عبدالرحمان قشیری کو صیغۂ خراج کا افسر مقرر کیا۔

وفات اوپر گزر چکا ہے کہ بنو امیہ نے غاصبانہ طور پر مسلمانوں کی جو جائدادیں اپنے قبضہ میں کرلی تھیں۔ ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سریر آرائے خلافت ہونے کے ساتھ ہی نہایت سختی کے ساتھ واپس کردیا۔ جس نے اُن کے تمام خاندان میں عام برہمی پھیلا دی۔ لیکن یہ ناراضی زبان وقلم تک محدود نہیں رہی بلکہ اس نے ایک خطرناک سازش کی صورت اختیار کرلی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات اسی سازش کا نتیجہ ہے۔

(ابتدائے مرض میں عام خیال تھا کہ ان پر جادو کیا گیا ہے لیکن خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اصلی راز معلوم ہوگیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک بار مجاہد سے پوچھا کہ میری نسبت لوگوں کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ لوگ آپ کو مسحور سمجھتے ہیں، بولے میں مسحور نہیں ہوں مجھے وہ وقت یاد ہے جس میں مجھے زہر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ایک غلام کو بلا کر پوچھا کہ تم مجھے زہر دینے پر کیوں آمادہ ہوئے؟ اس نے کہا مجھے ہزار دینار دے کر آزاد کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہ دینار منگوا کر بیت المال میں داخل کرا دیئے اور اس سے کہہ دیا کہ تم ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تم کو کوئی نہ دیکھ سکے[3] طبیب آیا تو اس نے بھی تجویز کی اور علاج کی طرف توجہ دلائی لیکن انھوں نے علاج کرنے سے انکار کردیا[2]

۲۰ دن تک بیمار رہے اور ۲۵ رجب ۱۰۱ھ روز چہارشنبہ کو ۳۹ سال کی عمر[4] میں دیر سمعان انتقال کیا اور وہیں دفن کیے گئے۔

---

[1] طبری ۲/ص ۱۳۵۳ تا ۱۳۵۶۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۷۔ [3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۷۷۔ [4] بعض روایتوں میں تاریخ وفات ۲۰ رجب اور عمر ۴۰ سال بیان کی گئی ہے اور بعض روایتوں میں تاریخ وفات ۲۴ رجب

Marfat.com

ان کی وفات کے واقعات نہایت موثر ہیں۔ ان کی بی بی فاطمہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کے یہاں سے چلی جاؤں، آپ سوئے نہیں ہیں شاید آپ کو نیند آجائے یہ کہہ کر میں دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں میں نے سُنا کہ بار بار اس آیت کی تلاوت کر رہے ہیں۔

تلك الدار الآخرة نجعلها	یہ آخرت کا گھر ہے ہم ان لوگوں کے
للذین لا یریدون علوا	لیے بناتے ہیں جو زمین میں نہ تفوق
فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ	چاہتے ہیں، نہ فساد کرتے ہیں اور
للمتقین۔	عاقبت صرف پرہیزگاروں کے لیے ہے

اس کے بعد گردن جھکالی اور دیر تک مجھے کسی قسم کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ جو خادم تیمار داری کرتا تھا میں نے اس سے کہا کہ جا کر دیکھ تو سہی۔ اس نے جا کر دیکھا تو زور سے چلّایا میں نے جا کر دیکھا تو ان کو مُردہ پایا۔ رُخ قبلہ کی طرف تھا۔ ایک ہاتھ منہ پر اور دوسرا آنکھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب نزع کا وقت آیا تو انھوں نے کہا کہ سب نکل جائیں اور میرے پاس کوئی نہ رہنے پائے۔ سب نکل آئے اور دروازے پر مسلمہ بن عبدالملک اور ان کی بی بی فاطمہ بیٹھی رہیں۔ ان لوگوں کے کان میں یہ آواز آئی۔ کیا مبارک چہرے ہیں جو نہ آدمیوں کے ہیں، نہ جنّوں کے۔ اس کے بعد متذکرۂ بالا آیت پڑھ کر خاموش ہو رہے۔ مسلمہ نے فاطمہ سے کہا کہ انتقال ہو گیا، جا کر دیکھا تو واقعی انتقال ہو چکا تھا[1]

(مرض الموت میں لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ اگر آپ مدینہ میں جا کر وفات پاتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ دفن ہوتے۔ اس مدفن پاک میں ایک قبر کی جگہ اور ہے۔ بولے" خدا کی قسم آگ کے سوا اگر خداوند تعالی مجھے ہر قسم کے عذاب دے تو میں اس کو بخوشی برداشت کروں گا۔ لیکن یہ گوارا نہیں ہے کہ خدا کو یہ معلوم ہو

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۸۴، ۲۸۵۔

Marfat.com

کہ میں اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کے قابل سمجھتا ہوں۔ اس بناء پر ایک عیسائی سے خود ہی اپنی قبر کی زمین خریدنی چاہی۔ عیسائی نے کہا یہ تو میرے لیے خیر و برکت کا سبب ہوگا۔ میں آپ کو یہ زمین یونہی دیتا ہوں، لیکن انھوں نے اس کو گوارا نہیں کیا اور زمین کو بقیمت خریدا[1]۔

رجاء بن حیوٰۃ کو وصیت کی تھی کہ وہی غسل دیں، وہی کفن پہنائیں اور وہی قبر میں اتاریں۔ لونڈی کو وصیت کی تھی کہ حنوط میں مشک نہ ملائے اور قبر کو اینٹ سے بنانے کی ممانعت کی تھی۔ کفن کے لیے خود ہی پانچ کپڑے متعین کر دیئے تھے اور کہہ دیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے خاندان کے مُردوں کو اسی طرح کفناتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند بال اور چند ناخن منگواکر کفن میں رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ یزید بن عبدالملک کے لیے ایک وصیت نامہ لکھا تھا جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"میں تم کو یہ لکھتا ہوں اور میں مرض سے لاغر ہو رہا ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ امورِ خلافت کے متعلق مجھ سے سوال کیا جائے گا اور خدا مجھ سے اس کا حساب لے گا اور میں اس سے اپنا کوئی کام نہ چھپا سکوں گا۔ خدا خود کہتا ہے:

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَائِبِيْنَ	ہم ان کو علم سے قصہ سناتے ہیں اور ہم غیر حاضر نہ تھے۔

اگر خدا مجھ سے راضی ہو گیا تو میں کامیاب ہوا اور ایک طویل عذاب سے نجات پائی۔ اگر تو مجھ سے ناراض ہوا تو افسوس ہے میرے انجام پر۔ میں اس خدا سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی رحمت سے آگے سے نجات دے اور اپنی رضامندی سے جنت عطا کرے۔ تم کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے اور رعایا کا خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ میرے بعد تم صرف تھوڑے دنوں زندہ

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۸۲، ۲۸۳۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۳ و سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ

Marfat.com

رہو گے۔ تم کو اس سے بہت احتراز کرنا چاہیئے کہ تم سے غفلت میں لغزش ہو
اور تم اس کی کوئی تلافی نہ کر سکو۔)

سلیمان بن عبدالملک خدا کا ایک بندہ تھا، خدا نے اس کو وفات دی اور اس نے مجھ کو خلیفہ بنایا اور میرے لیے خود بیعت لی اور میرے بعد تم کو ولی عہد مقرر کیا۔ میں جس حالت میں تھا اگر وہ اس لیے ہوتی کہ میں بہت سی بیبیوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں تو خدا نے مجھ کو اس سے بہتر سامان دیئے تھے جو کسی بندے کو دے سکتا تھا لیکن میں سخت حساب اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں۔ بجز اس کے جس پر خدا میری مدد کرے[1]۔"

اہل و عیال کی نسبت مسلمہ نے کہا کہ "اے امیر المومنین! آپ نے اپنی اولاد کا منہ اس مال سے ہمیشہ خشک رکھا۔ اس لیے آپ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ کاش مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو ان کے متعلق کچھ وصیت کر جاتے۔ بولے مجھے ٹیک لگا کر بٹھاؤ۔ پھر فرمایا، تمہارا یہ کہنا کہ میں نے ان کے منہ کو ہمیشہ اس مال سے خشک رکھا تو خدا کی قسم میں نے ان کا حق کبھی تلف نہیں کیا اور جس چیز میں ان کا حق نہیں تھا وہ ان کو کبھی نہیں دی۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں تمہیں یا خاندان کے کسی شخص کو ان کے متعلق وصیت کر جاؤں تو ان کے معاملہ میں میرا وصی اور میرا ولی صرف خدا ہے اور وہی صلحا کا ولی ہوتا ہے۔ میرے لڑکے اگر خدا سے ڈریں گے تو خدا ان کے لیے کوئی صورت نکال دے گا اور اگر وہ مبتلائے گناہ ہوں گے تو میں ان کو معصیت کے لیے طاقت ور نہ بناؤں گا۔" اس کے بعد لڑکوں کو بلایا اور با چشم تر ان کو دیکھ کر فرمایا میری جان ان نوجوانوں پر قربان جن کو میں نے محتاج و مفلس چھوڑا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو اچھی حالت میں چھوڑا۔ لڑکو! تم کسی عرب یا ذمی سے نہ ملو گے جس پر تمہارا حق نہ ہوگا۔ لڑکو! تمہارے باپ کو دو میں سے ایک کا اختیار تھا۔ ایک یہ کہ تم لوگ

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷۷، ۲۷۸۔

دولت مند ہو جاؤ اور وہ جہنم میں داخل ہو یا تم لوگ محتاج رہو اور وہ جنت میں جاتے۔ لیکن یہ بات کہ تم لوگ محتاج رہو اور وہ جنت میں جائے اس کو زیادہ محبوب تھی، بہ نسبت اس کے کہ تم لوگ دولتمند رہو اور وہ آگ میں جائے، اٹھو خدا تم کو محفوظ رکھے"۔

ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمہ بن عبدالملک نے وصیت کی درخواست کی تو انھوں نے کہا کہ مال کہاں ہے جس کے متعلق وصیت کروں۔ مسلمہ نے کہا میں ایک لاکھ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ آپ اسی کے متعلق وصیت کر دیجئے۔" بولے اس کو جہاں سے لاتے ہو، وہیں واپس کر آؤ۔ اس پر مسلمہ رو پڑے[1]۔

لوگوں کو ان کی وفات کا حال معلوم ہوا تو عام وخاص، عالم وجاہل، مسلم وغیر مسلم سب نے عام طور پر ماتم کیا۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب ان کا قاصد بصرہ میں آتا تو چونکہ وہ عموماً وظائف کے اضافہ یا کسی اچھی بات کا حکم اور کسی برائی سے ممانعت کا فرمان لاتا۔ اس لیے لوگ اس کا استقبال کر کے اس کو مسجد تک لاتے اور وہ ان کا خط پڑھ کر سناتا۔ اس لیے جب قاصد ان کی وفات کی خبر لے کر بصرہ میں آیا تو لوگوں نے حسبِ معمول اس کا استقبال کیا۔ لیکن جب اس نے رو کر ان کی وفات کی خبر سنائی تو سب لوگ رو پڑے[2]۔

امام حسن بصری کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو بولے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اے نیکی کے مالک۔ تمام فقہاء ان کی بی بی فاطمہ کے پاس تعزیت کے لیے آئے اور کہا کہ "یہ مصیبت امامِ امت کے لیے عام ہے"۔

عبدالملک بن عمیر نے موت کے بعد ان کی اخلاقی خوبیوں کو گنا گنا کر کہا کہ اے امیرالمومنین خدا تم پر رحم کرے، تم نگاہوں کو جھکائے رکھتے تھے، پاکدامن تھے۔ حق کے ساتھ فیاض اور بخل کے ساتھ بخیل تھے۔ غصہ کے وقت غصہ ہوتے تھے اور رضامندی کے وقت راضی ہوتے تھے۔ نہ ظریف تھے، نہ کسی پر عیب لگاتے تھے، نہ کسی کی غیبت کرتے تھے۔

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۷۹، ۲۸۰۔ [2] سیرت ابن عبدالحکم ص ۶۶۔

Marfat.com

محمد بن معبد کا بیان ہے کہ میں شاہِ روم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کو زمین پر نہایت رنج و غم کی حالت میں بیٹھا ہوا پایا۔ میں نے پوچھا کیا حال ہے، بولا جو کچھ ہوا تم کو خبر نہیں؟ میں نے کہا کیا ہوا؟ بولا مردِ صالح کا انتقال ہو گیا۔ میں نے کہا وہ کون؟ بولا عمر بن عبدالعزیزؒ۔ پھر کہا اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی مردوں کو زندہ کر سکتا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کر سکتے تھے۔ مجھے اس راہب کی حالت پر کوئی تعجب نہیں جس نے اپنے دروازے کو بند کر کے دنیا کو چھوڑ دیا اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ مجھے اس شخص کی حالت پر تعجب ہے جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی اور اس نے اس کو پامال کر کے راہبانہ زندگی اختیار کی۔ مجاہد کا بیان ہے کہ میں جا رہا تھا کہ ایک نبطی نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو؟ تم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کے وقت موجود تھے؟ میں نے کہا ہاں! یہ سن کر وہ رو پڑا، ان کے لیے رحمت کی دعا مانگی۔ میں نے کہا تم ان کے لیے کیوں رحمت کی دعا مانگتے ہو؟ وہ تو تمھارے ہم مذہب نہ تھے۔ اس نے کہا میں ان پر نہیں روتا، اس نور پر روتا ہوں جو زمین پر تھا اور اب بجھ گیا[1]

علماء مدتوں ان کی قبر کی زیارت کرتے رہے۔ ایک بار مکحول مقام دابق سے پلٹ کر ایک منزل میں کوچ کے وقت اترے اور ایک طرف دور نکل گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہاں گئے تھے؟ بولے پانچ میل کے فاصلہ پر عمر بن عبدالعزیزؒ کی قبر تھی وہیں گیا تھا۔ خدا کی قسم! ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ کوئی خدا ترس نہ تھا۔ خدا کی قسم! ان کے زمانے میں ان سے زیادہ کوئی زاہد نہ تھا[2] علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ اب تک ان کی قبر زیارت گاہِ خلائق ہے[3]

شعراء کو اگرچہ انھوں نے اپنی زندگی میں مدح سرائی کا موقع نہیں دیا۔ تاہم ان کی وفات پر سب نے دل کھول کر مرثیے لکھے۔ جریر نے ان اشعار میں اپنے دردِ دل کا اظہار کیا:۔

تنعی النعاۃ امیر المومنین لنا　　　یا خیر من حج بیت اللہ واعتمرا

خبرِ مرگ پہنچانے والے ہم کو امیر المومنین کی موت کی خبر دیتے ہیں اور ان لوگوں میں جنھوں نے بیت اللہ کا حج اور عمرہ کیا سب سے بہتر ہے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۸۸، ۲۸۹۔ [2] ایضاً ص ۲۹۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۸ تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

Marfat.com

حسنتا مرا عظما فاضطلت بہ — وسرت فیہ بحکم اللہ یا عمرا

آپ پر ایک بڑا بوجھ لادا گیا اور آپ نے اس کو بغل میں دبا لیا اور اے عمرؓ تم نے اس پر خدا کے حکم کے موافق عمل کیا

الشمس طالعۃ لیست بکاسفۃ — تبکی علیک نجوم اللیل والقمرا

سورج نکلا ہے گہنایا نہیں۔ تم پر رات کے ستارے اور چاند رو رہے ہیں۔

فرزوق کے قطرہائے اشک یہ ہیں:۔

کم من شریعۃ حق قد شرعت لہم — کانت امیتت واخری منک تنتظر

کتنی مردہ شریعتوں کو تم نے زندہ کیا اور دوسری شریعتوں کے زندہ کرنے کی تم سے توقع تھی۔

یالھف نفسی ولھف اللاھفین معی — علی العدول التی تغتالھا الحفر

میرے نفس کا پچھتاوا اور میرے ساتھ تمام افسوس کرنے والوں کا پچھتاوا اس عادل پر جس کو قبر نے اُچک لیا۔

محارب بن دثار نے ان اشعار میں فغاں سنجی کی:۔

لو اعظم الموت حلقا ان یواقعہ — لعدلہ لم یصبک الموت یا عمر

اگر انصاف کی وجہ سے کسی کو موت نہ آسکتی — تو اے عمر تمہیں موت نہ آتی

لو کنت املک والاقدار غالبۃ — تاتی رواحا وتبیانا وتبتکر

اگر مجھے قدرت ہوتی حالانکہ تقدیر غالب ہے۔ — جو شام و صبح اپنے کرشمے دکھایا کرتی ہے

صرفت عن عمر الخیرات مصرعہ — بدیر سمعان لکن یغلب القدر

تو میں عمر سے موت کو مقام — دیر سمعان میں ٹال دیتا لیکن تقدیر غالب آتی

اسی طرح اور بھی متعدد شعراء نے مرثیے لکھے، جن کو ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں[1]۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنی اولاد کے لیے جو ترکہ چھوڑا اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اپنی اولاد سے کہا کہ تم خزانچی پر تہمت نہ لگانا۔

---

[1] سیرت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۳۹۲۔

Marfat.com

صرف ۲۱ دینار چھوڑتا ہوں جس میں دیر سمعان کے لوگوں کے مکانات کا کرایہ ادا کرنا ہوگا۔ ایک مزرعہ اور قبر کی زمین کی قیمت دینا ہوگی۔")

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیزؒ سے پوچھا کہ انہوں نے تمہارے لیے کس قدر مال چھوڑا؟ وہ مسکرائے اور کہا کہ "ان کے داروغہ نے مجھ سے بیان کیا کہ نزع کے وقت خود انھوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کس قدر روپیہ ہے؟ میں نے کہا ۱۴ دینار۔ اس نے کہا کس قدر منافع کی جائیداد چھوڑی؟ بولے ۶۰۰ دینار۔ ہم بارہ مرد اور ۶ عورتیں تھے جن کو ہم نے ۱۵ سہام پر تقسیم کر لیا۔"

(منصور نے عبدالرحمٰن بن قاسم محمد بن ابی بکر سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجیے۔ بولے اس چیز کی نصیحت کروں جو میں نے دیکھی ہے یا اس چیز کی جو میں نے سُنی ہے؟ اس نے کہا جو آپ نے دیکھی ہے۔ بولے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے گیارہ لڑکے چھوڑ کر وفات کی اور ان کا کل ترکہ ۱۵ دینار تھا جس میں ۵ دینار ان کے کفن میں صرف ہوئے دو دینار پر قبر کی زمین خریدی گئی اور بقیہ لڑکوں پر تقسیم ہوا اور ہر لڑکے نے اُنیس اُنیس درہم پائے۔ ہشام بن عبدالملک بھی گیارہ لڑکے چھوڑ کر مرا اور جب ترکہ تقسیم ہوا تو سب نے دس دس لاکھ پایا۔ لیکن میں نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک لڑکے کو دیکھا کہ ایک دن میں سو گھوڑے جہاد کے لیے دیئے اور ہشام کے ایک لڑکے کو دیکھا جس کو لوگ صدقہ دے رہے ہیں[۱] بہرحال اگر اور خلفائے بنو امیہ کے ساتھ ان کا موازنہ نہ کیا جائے تو انھوں نے نام نیک کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا۔)

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیز ۲۹۵، ۲۹۶۔

Marfat.com

ازواج و اولاد

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے چار بیبیاں تھیں جن میں ایک اُمّ الولد یعنی صاحبِ اولاد لونڈی تھی۔ بیبیوں میں ایک کا نام لمیس بنتِ علی بن حارث اور دوسری کا اُمّ عثما[ن] بنتِ شعیب بن زبان اور تیسری کا فاطمہ بنتِ عبد الملک بن مروان تھا اور ان میں ہر ایک سے اولاد پیدا ہوئی۔ لونڈی سے ۷ لڑکے یعنی عبد الملک، ولید، عاصم، یزید، عبد[الله]، عبد العزیز، زبان اور دو لڑکیاں یعنی امینہ اور اُمِّ عبد اللہ پیدا ہوئیں۔ اُمِّ عثمان سے صر[ف] ایک لڑکا ابراہیم پیدا ہوا۔ عبد اللہ بکر اور اُمِّ عمار لمیس کے بطن سے تھے اور بقیہ اولاد یع[نی] اسحاق، یعقوب، موسیٰ، فاطمہ بنتِ عبد الملک کے بطن سے تھیں۔ اس طرح ان کی اول[اد] ذکور و اناث کی مجموعی تعداد ۱۶ تھی جن کے حالات حسب ذیل ہیں:۔

عبد الملک عبد الملک نہایت متقشف اور زاہد تھے۔ ایک دن بی بی خوب بن س[نور] کر سامنے آئی، تو کہا کہ اب تم کو عدت میں بیٹھنا چاہیئے۔ بعض مشائخ اہلِ شام کا بیان [ہے] کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے بیٹے ہی کو دیکھ کر عبادت گزاری اختیار کی۔ سیّار بن الحـ[کم] کا بیان ہے کہ عبد الملک حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے بھی افضل تھے۔ میمون بن مہرا[ن] فرماتے ہیں کہ میں نے ایک گھر میں تین آدمیوں سے بہتر نہیں دیکھا۔ ایک عمر بن عبد العز[یز] دوسرے ان کے بیٹے عبد الملک اور تیسرے ان کے مولا مزاحم۔ اس بناء پر حضرت عمر بن ع[بد العزیز]

ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے۔ اور ان پر نہایت اعتماد کرتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ ہونے کے ساتھ ایک خط میں ان کو لکھا کہ " اپنے بعد میں اپنی وصیت اور نصیحت کا سب سے زیادہ مستحق تم کو سمجھتا ہوں اور تم بھی ان کے محفوظ رکھنے کے سب سے زیادہ اہل ہو۔ خدا نے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور جو نعمتیں رہ گئی ہیں وہ بھی عطا کرے گا۔ تو خدا کا جو احسان تم پر اور تمھارے باپ پر ہے اس کو یاد کرو اور اپنے باپ کو ہر اس معاملہ میں جس پر وہ قادر ہے اور جس سے تمھارے خیال میں وہ عاجز ہے، مدد دو۔

عبدالملک نے اس نصیحت پر شدت کے ساتھ عمل کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلافت کے اہم معاملات میں ہمیشہ مدد دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اموال مغصوبہ کو بنو امیہ کے فتنہ و فساد کے خوف سے بتدریج تمہیل واپس کرنا چاہتے تھے لیکن عبدالملک ہی کے مشورے سے انھوں نے اس کام کو سب سے پہلے انجام دیا۔

ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کسی بات پر سخت برہم ہوئے۔ عبدالملک بھی اس جگہ موجود تھے۔ جب ان کا غصہ فرو ہوا تو بولے اے امیرالمومنین! آپ اس درجہ پر پہنچ کر اس قدر غصہ ہوئے ہیں! حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تو کیا تم غصہ نہیں ہوتے! بولے میرا توند سے کیا فائدہ اگر میں غصہ کو ہضم نہ کر جاؤں۔ (ان کا پیٹ بڑا تھا)

ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ دربار کر رہے تھے، دوپہر ہوئی تو تھک کر اُٹھ گئے اور آرام لینے لگے۔ عبدالملک حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ آپ اندر کیوں چلے آئے! فرمایا تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ بولے " رعایا دروازے پر آپ کا انتظار کر رہی ہے اور آپ ان سے چھپتے ہیں۔ کیا موت پر آپ کو اعتماد ہے کہ وہ اس حالت میں نہ آجائے گی ؟ ' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اسی وقت اٹھے اور پھر دربار کرنا شروع کیا۔

عبدالملک نے باپ کی زندگی ہی میں بعارضہ طاعون انتقال کیا۔ بیماری کی حالت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے پاس جا کر حال پوچھا تو بولے میں اپنے آپ کو حق پر پاتا

Marfat.com

ہوں۔ لیکن خدا کی قسم آپ کی مرضی مجھے اپنی مرضی سے زیادہ محبوب ہے۔ موت کے بعد لاش کے پاس گئے اور مزاحم نے ان کی موت کی خبر دی تو بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو لاش کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

لا یغرنک عشاء ساکن	قد یوافی بالمنیات السحر
تم کو بے خوف و خطر شام دھوکہ نہ دے	کیوں کہ موت صبح کو بھی آتی ہے

اور فرمایا "اے بیٹے دنیا میں تم ویسے ہی تھے جیسا کہ خدا کہتا ہے:

المال والبنون زینۃ الحیاۃ الدنیا — مال و اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں

اور تم دنیا کی افضل ترین زینت تھے اور مجھے توقع ہے کہ آج سے تم باقیات الصالحات میں داخل ہو گئے جس کا ثواب سب سے بڑھ کر ہے۔"

کفن پہنایا جانے لگا تو چہرے کو دیکھ کر فرمایا "اے بیٹے خدا تم پر رحم کرے اور تمھاری مغفرت کرے۔ دفن ہونے کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا "اے بیٹے خدا تجھ پر رحم کرے، بچپن میں تم خوشی کا باعث تھے۔ جوانی میں حقِ پدری ادا کرنے والے تھے۔ اس کے بعد تمام لوگوں کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی اور سب کو نوحہ و بکا سے روک دیا۔

لوگوں نے عام طور پر حاضر ہو کر رسم تعزیت ادا کی۔ ایک بدو نے کھڑے ہو کر تعزیت میں یہ اشعار پڑھے:

تعزّ امیر المومنین فانہ	لما قد تریٰ یغذی الولید ویولد
ھل ابنک الا من سلالۃ آدم	الکل علی حوض المنیۃ مورد

عبدالعزیز | یہ یزید بن عبدالملک اور مروان بن محمد کی جانب سے مکہ اور مدینہ کے گورنر تھے۔ وہ روایتِ حدیث میں ہیں۔

عبداللہ | یہ یزید بن ولید کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ یہ جب وہاں کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو بصرہ والوں نے ایک نہر کھدوانے کی درخواست کی۔ انھوں نے یزید کو اس کی اطلاع

دی۔ یزید نے لکھا کہ اگر عراق کا کل خراج صرف ہو جائے تب بھی نہر کھدواؤ۔ چنانچہ انھوں نے تین لاکھ کے صرف سے ایک نہر کھدوائی جو ان کے نام سے مشہور رہی۔[1]

بقیہ اولاد یعنی اسحاق۔ یعقوب۔ بکر۔ موسیٰ۔ ولید۔ عاصم۔ یزید۔ زبان۔ امینہ۔ اُمّ عمار اور اُمّ عبد اللہ میں بعض نے بچپن ہی میں وفات کی اور بقیہ نے کوئی خاص ناموری حاصل نہیں کی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا نہایت عمدہ انتظام کیا تھا۔ صالح ابن کیسان جو علمائے مدینہ میں بڑے پایہ کے محدّث تھے۔ ان کی بہ نسبت تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی اولاد کے مودب یعنی اتالیق تھے۔ ان کے علاوہ ان کے مولیٰ سہل بھی اس خدمت پر مامور تھے اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ان کو بہترین تعلیم و تربیت دینے پر خود متوجہ کرتے رہتے تھے۔ ایک بار ان کو ایک خط میں لکھا کہ میں نے اچھی طرح سمجھ بوجھ کر تمام موالی اور خواص میں سے تم کو اپنی اولاد کی تادیب کے لیے انتخاب کیا ہے۔ ان کو خشونت سکھاؤ کہ یہ ان کے قدم کو راسخ کرے گی اور ترکِ صحبت کی طرف توجہ دلاؤ کہ وہ غفلت پیدا کرتی ہے اور کم ہنسنے دو کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کرتا ہے۔ تمھارے ادب سے پہلی بات جو وہ سیکھیں وہ راگ باجے کی طرف سے نفرت ہو۔ کیونکہ میں نے ثقات سے سُنا ہے کہ راگ باجے کا سننا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ جس طرح پانی گھاس کو اُگاتا ہے۔ ان میں ہر لڑکا قرآن مجید کا ایک ٹکڑا شروع کرے اور نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی قرأت کرے جب اس سے فارغ ہو جائے تو ہاتھ میں تیر و کمان لے کر برہنہ پا نکل جائے اور سات تیر چلائے۔ پھر قیلولہ کرنے کے لیے واپس آئے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے بچو! قیلولہ کرو، اس لیے کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔[2]

حُلیہ (حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا رنگ سفید، چہرہ پتلا اور آنکھیں گہری تھیں۔ بچپن میں گھوڑے نے پیشانی پر لات ماردی تھی جس کا نشان باقی تھا اور وہ اس لیے اشج بنو امیہ کہلاتے تھے۔ اخیر عمر میں بال سفید ہونے لگے تھے۔ جسم لاغر تھا اور یہ غالباً زہد و تقشف کا اثر تھا۔)

[1] فتوح البلدان ص ۳۷۷۔ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول تذکرہ صالح بن کیسان ص ۱۴۳۔ [3] تمام تفصیل سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ کے اٹھتیسویں باب میں ہے۔

Marfat.com

اخلاق وعادات

حسنِ خُلق | نہایت خوش خُلق اور نرم خُو تھے۔ چند خاص لوگ تھے جن سے رات کو معاملات خلافت کے متعلق مشورہ لیا کرتے تھے۔ لیکن جب ان کا جی چاہتا کہ یہ لوگ یہاں سے اٹھ جائیں صرف اس قدر کہتے کہ اگر آپ لوگ چاہیں۔

ایک بار عبداللہ بن حسن اپنی ضرورتوں کے لیے سلیمان بن عبدالملک کے پاس آئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو واسطہ بنایا۔ اور اس لیے اکثر ان کے یہاں آنا جانا شروع کیا۔ ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے کہا کہ آپ میرے یہاں اسی وقت آئیے جب آپ کو اندر آنے کی اجازت مل سکے۔ کیونکہ مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ میرے دروازے پر آئیں اور آپ کو اذن نہ ملے۔

ایک دن وہ آئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ فوج میں ایک شخص مبتلائے طاعون ہو گیا ہے۔ آپ اپنے وطن کو تشریف لے جائیں۔ کیونکہ آپ مجھے بہت عزیز ہیں[1]۔

ایک بار چند آدمیوں کے پاس غلطی سے بغیر سلام کیے بیٹھ گئے۔ یاد آیا تو اٹھ کر سب کو سلام کر لیا تو بیٹھے[2]۔

تواضع ومساوات | خلافت سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک مغرور اور جاہ پسند شخص تھے۔ نہایت عمدہ کپڑے پہنتے تھے۔ نہایت عمدہ خوشبو لگاتے تھے۔ اور راہ میں اکڑتے ہوئے چلتے تھے۔ لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی ان کے اخلاق وعادات میں جو عظیم الشان انقلاب ہوا

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۶۲-۶۳۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۶۴۔

Marfat.com

اس نے عجب و غرور کو تواضع و انکسار سے بدل دیا ۔ جب وہ مدینہ کے گورنر تھے تو وضع قطع سے صاف معلوم ہوتا تھا ۔ کہ یہ گورنر ہیں ۔ لیکن خلیفہ ہونے کے بعد کسی نے یہ نہ جانا کہ وہ خلیفہ ہیں ۔

خلیفہ ہونے کے بعد جب شاہانہ سواریاں آئیں تو ان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میرا خچر میرے لیے کافی ہے ۔ سوار ہو کر چلے تو کوتوال نے برچھا لے کر آگے آگے چلنا چاہا لیکن اس کو یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں ۔ قصرِ خلافت میں داخل ہوئے تو تمام پردوں کو چاک کرا دیا ۔ اور خلفاء کے لیے جو فرش بچھایا جاتا تھا اس کو فروخت کرا کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کروا دی[1]

لوگ ان کے سامنے کھڑے ہوئے تو فرمایا لوگو! اگر تم کھڑے رہو گے تو ہم بھی کھڑے ہو جائیں گے ۔ اور تم لوگ بیٹھو گے تو ہم بھی بیٹھیں گے ۔ لوگوں کو صرف خدا کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے[2]

خلفائے بنو امیہ کا دستور تھا کہ جب کسی جنازہ میں شریک ہوتے تھے ۔ تو سب سے پہلے ان کے بیٹھنے کے لیے ایک خاص چادر بچھائی جاتی تھی ۔ ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ایک جنازہ میں شریک ہوئے اور حسبِ معمول اُن کے لیے بھی یہ چادر بچھائی گئی ۔ لیکن وہ اس کو پاؤں سے ہٹا کر زمین پر بیٹھ گئے[3] ۔ سرکاری پہرہ داروں کو تعظیم کے لیے اٹھنے کی بالکل ممانعت کر دی تھی اور ان کے ساتھ برابر بیٹھتے تھے[4] وہ لوگ سلام میں سابقت کرتے تھے ۔ تو ان سے کہتے تھے کہ تم لوگ پہلے سلام نہ کرو ۔ بلکہ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم تم لوگوں کو پہلے سلام کریں[5] ۔

ان کو عجب، غرور اور فخاری سے اس قدر نفرت تھی کہ جب خطبہ دیتے یا کوئی تحریر لکھتے اور اس کے متعلق دل میں غرور پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا تو خطبہ میں چپ ہو جاتے اور تحریر کو پھاڑ ڈالتے اور فرماتے کہ خدایا میں اپنے نفس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں[6] فرمایا کرتے تھے کہ فخاری کے خوف سے میں زیادہ نہیں بولتا[7]

---

[1] سیرۃ عمرؓ بن عبدالعزیزؓ ص ۵۳ ۔ ۵۴ ۔ [2] سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۳۷ ۔ [3] سیرت عمرؓ بن عبدالعزیزؓ ص ۵۷ ۔ [4] سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز ص ۸۶ ۔ [5] سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۳۸ ۔ [6] سیرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ ص ۶۲ ۔ [7] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۸ ۔

Marfat.com

اگرچہ وہ خلیفہ اور امیر المومنین تھے۔ مگر اپنے آپ کو ہمیشہ عمر ہی سمجھا کیجیئے۔ ایک بار ان
ایک بھائی آیا اور کہا کہ "اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو عمر سمجھ کر ایسی بات کہوں جو آج آپ کو ناپس
اور کل پسندیدہ ہو۔ ورنہ امیر المومنین سمجھ کر ایسی گفتگو کروں جو آج آپ کو محبوب اور کل مبغوض ہو
بولے مجھے عمر ہی سمجھ کر وہ بات کہو جو آج مجھے ناپسند اور کل پسند ہو۔

ایک بار رات کو رجاء بن حیواۃ سے گفتگو فرما رہے تھے کہ دفعتہً چراغ جھلملانے لگ
پہلو ہی میں ایک ملازم سویا ہوا تھا۔ رجاء نے کہا اس کو جگا نہ دوں؟ بولے سونے دو انھوں نے ک
میں خود اٹھ کر چراغ کو ٹھیک کر دوں۔ فرمایا! مہمان سے کام لینا مروّت کے خلاف ہے۔ بالا
چادر رکھ کر خود ہی اٹھے۔ برتن سے زیتون کا تیل لیا۔ اور چراغ کو ٹھیک کر کے پلٹے تو کہا کہ جب
میں اٹھا تھا تب بھی عمر بن عبدالعزیز تھا۔ اور جب پلٹا تب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔

انھوں نے باوجود خلیفہ ہونے کے کبھی اپنے آپ کو عام مسلمانوں بلکہ لونڈی غلاموں سے
بھی بالاتر نہیں سمجھا۔ ایک دن لونڈی ان کو پنکھا جھل رہی تھی۔ کہ اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ
گئی انھوں نے خود پنکھا لے لیا اور اس کو جھلنے لگے۔ وہ جاگی تو شور کیا۔ بولے! تو بھی میری
طرح ایک آدمی ہے۔ میری طرح تجھے بھی گرمی معلوم ہوئی۔ اس لیے میں نے چاہا کہ جس طرح تو
مجھے پنکھا جھلا ہے۔ میں بھی تجھے پنکھا جھل دوں"۔

جنازوں میں عموماً شریک ہوتے۔ اور عام مسلمانوں کی طرح تابوت کو کاندھا دیتے ہوئے
چلتے۔ ایک بار بارش کے دن میں ایک جنازہ کی نماز پڑھائی۔ اتفاقاً ایک مسافر آگیا۔ جس کے
بدن پر چادر نہ تھی۔ انھوں نے اس کو بلا لیا اور اپنی چادر کا بچا ہوا حصہ اس کو اڑھا دیا۔

ایک بار ایک گرجے میں اترے تو دیکھا کہ کچھ لوگ بہت سے طبق لیے جا رہے
ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ گرجے کا پادری لوگوں کی ضیافت کر رہا ہے۔ اس
کے بعد ان کے سامنے ایک طبق پیش کیا گیا۔ جس میں پستہ اور بادام تھا۔ بولے
تمام طبقوں میں بھی یہی ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں، بولے تو پھر اس کو واپس

لے جاؤ۔[1]

خاکساری کی وجہ سے مداحی کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ایک بار کسی شخص نے ان کے سامنے ان کی تعریف کی تو بولے مجھے جو حال اپنے نفس کا معلوم ہے۔ اگر تم کو معلوم ہوتا تو تم میرے چہرے کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔

اس تواضع و فروتنی کا یہ اثر تھا کہ جو لوگ ان کو شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ ان کو پہچان ہی نہ سکتے تھے۔ حکم بن عمر الرعینی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز اس حلقہ سے اٹھ کر اس حلقہ میں جا بیٹھتے تھے تو جو اجنبی لوگ آتے تھے۔ وہ نا آشنایانہ پوچھتے تھے کہ امیرالمومنین کس حلقہ میں ہیں؟ لیکن جب تک انگلی سے اشارہ نہ کیا جاتا کہ یہ امیرالمومنین ہیں وہ لوگ ان کو پہچان نہ سکتے۔

لیکن باوجود اس عجز و خاکساری کے خودداری کا سررشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے خلیفہ ہونے کے بعد اہل خاندان سے میل جول کم کر دیا۔ تو ان میں بعض لوگوں نے کہا کہ "آپ مغرور ہو گئے" بولے میں پہلے ایک لونڈا تھا۔ خاندان کے لوگ بلا اجازت میرے پاس آتے تھے۔ میرے فرش کو روندتے تھے۔ اور ایک ایسے شخص کے ساتھ جو حاکمانہ حیثیت نہ رکھتا ہو، جو برتاؤ کیا جا سکتا ہے کرتے تھے۔ لیکن خلیفہ ہونے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ یا تو میں قدیم حالت کو قائم رکھنے کے ساتھ حق کی مخالفت پر ان کو سزا دوں۔ یا یہ کہ ان سے اختلاط چھوڑ دوں۔ تاکہ خود ان کو اس کی جرأت نہ ہونے پائے۔ میں نے یہی آخری صورت اختیار کی ہے۔ ورنہ غرور تو صرف خدا کی چادر ہے۔ میں اس کے متعلق اس سے کیونکر جنگ کر سکتا ہوں[2]

حلم | حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اگرچہ عنفوان شباب سے لے کر تا دم مرگ حاکمانہ حیثیت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ تاہم وہ ہمیشہ حلیم، نرم خو اور متحمل مزاج رہے۔ ایک بار ایک خارجی نے سلیمان بن عبدالملک کو برا بھلا کہا جس کی پاداش میں اُس نے اس کو قتل کروا دیا۔ لیکن قتل سے

---

[1] سیرت بن عبدالحکم ص ۵۵۔ [2] یہ تمام واقعات سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز از ص ۷۲ تا ۷۵ میں درج ہیں۔

پہلے جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ آپ بھی اس کو بُرا بھلا کہہ لیجئے
سلیمان عبدالملک کی زندگی میں تو یہ ان کا مشورہ تھا۔ لیکن اس کی وفات کے بعد جب
خود خلیفہ ہوئے تو اس پر عمل کرنے کا وقت آیا۔ چنانچہ ایک بار ان کے عامل عبدالحمید بن عبدالر
نے ان کو لکھا کہ میرے اجلاس میں ایک شخص اس جرم میں پیش کیا گیا ہے۔ کہ وہ آپ کو گالی
دیتا ہے۔ میں نے اس کی گردن اڑا دینی چاہی تھی۔ لیکن پھر اس خیال سے قید کر دیا کہ اس بار
میں آپ کی رائے لے لوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جواب میں لکھا کہ اگر تم اس کو قتل کر د
تو میں تم سے قصاص لیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کے گالی دینے پر کوئی شخ
قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اگر تمھارا جی چاہے تو اس کو گالی دے لو۔ ورنہ رہا کر دو[1]

ایک بار وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا کہ میں گ
دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو۔ یہ سن کر صرف اس قدر بولے کہ تم جھوٹے گواہ ہو۔ میں تمھاری شہادت
قبول نہیں کرتا۔

ایک بار کسی نے ان کو کلماتِ ناملائم کہے۔ لوگ بولے کہ آپ کیوں چپ ہیں؟ فر
کہ تقویٰ نے منہ میں لگام لگا دی ہے۔

ایک بار کسی نے ایک آدمی کی نسبت ان سے کہا کہ یہ آپ کو گالی دیتا ہے۔ انھوں
اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اُس نے پھر کہا۔ اب کی بھی روگردانی کی۔ اُس نے تیسری بار کہ
بولے کہ عمر اس کو اس طرح ڈھیل دے رہا ہے کہ اس کو خبر تک نہیں ہوتی۔

ایک بار دو سوار جا رہے تھے کہ ایک پا پیادہ شخص سواری کی جھپٹ میں آگیا۔ اور ا
نے غصہ کی حالت میں کہا کہ دیکھ! تو دیکھتا نہیں۔ جب سواریاں نکل گئیں تو اس نے کہا کیا
ہے جو مجھے اپنے پیچھے بٹھالے؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے غلام سے کہا کہ اس کو جی
تک لیتے چلو۔[2]

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۹۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۷۲

Marfat.com

(ایک بار رات کو مسجد میں گئے۔ ایک شخص سو رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کو اُن کے پاؤں کی ٹھوکر لگ گئی تو اس نے جھلا کر کہا کیا تم پاگل ہو؟ بولے نہیں چپڑاسی نے اس گستاخی پر اس کو سزا دینی چاہی۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے روک دیا اور کہا کہ اُس نے مجھ سے صرف یہ پوچھا تھا کہ تم پاگل ہو۔ میں نے جواب دے دیا کہ "نہیں")

ایک بار ان کو کسی شخص نے سخت بات کہی بولے تو چاہتا ہے کہ حکومت کے غرور میں میں بھی تیرے ساتھ وہی سلوک کروں جو تو کل (قیامت کے دن) میرے ساتھ کرے گا یہ کہہ کر اس کو معاف کر دیا۔

(ایک بار وہ قیلولہ کرنے کے لیے اٹھے۔ ایک آدمی ہاتھ میں کاغذ کا پلندا لیے ہوئے بڑھا اور پلندے کو ان کی طرف پھینک دیا۔ انھوں نے مڑ کے دیکھا تو پلندا منہ پر جا کے گرا۔ اور رخساروں پر چوٹ لگی۔ اور گالوں سے خون جاری ہو گیا۔ لیکن انھوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اُس کی عرضی پڑھی اور اس کی حاجت کو پورا کیا)

ایک بار ایک بچے نے ان کے کسی لڑکے کو مارا۔ لوگ اُس کو اُن کی بی بی فاطمہ کے پاس لے گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ دوسرے کمرے میں تھے۔ شور سنا تو کمرے سے نکل آئے۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اور کہا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ اور یہ یتیم ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ اس یتیم بچہ کو وظیفہ ملتا ہے؟ بولی نہیں فرمایا کہ اس کا نام وظیفہ خوار بچوں میں لکھ لو۔ فاطمہ نے کہا کہ اگر میرے بچے کو دوبارہ نہ مارے تو اس کے ساتھ خدا یہ سلوک کرے۔ بولے تم نے اس کو گھبرا دیا۔

ایک بار ایک شخص پر سخت برہم ہوئے اور اس کو برہنہ کر کے کوڑے لگوانے چاہے لیکن جب کوڑا لگانے کا وقت آیا تو بولے کہ اس کو رہا کر دو۔ اگر میں غصہ میں نہ ہوتا تو اس کو سزا دیتا۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس[1]

صبر | ایک زمانے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ پر دفعۃً مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ یعنی ان کے

[1] یہ تمام واقعات سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۷۶ تا ص ۱۷۸ میں ہیں۔

سب سے زیادہ محبوب لڑکے عبدالملک۔ سب سے زیادہ عزیز بھائی سھل بن عبدالعزیز اور سب سے زیادہ وفادار خادم مزاحم نے چند ہی دنوں کے وقفہ میں یکے بعد دیگرے انتقال کیا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے اس حالت میں صرف یہی نہیں کہ سر رشتہ صبر وسکون کو ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا بلکہ اس موقع پر وہ استقامت دکھائی کہ لوگوں کو ان کے ضبط و تحمل پر تعجب ہوا۔ وہ عبدالملک کو دفن کر رہے تھے کہ ایک شخص نے بائیں ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا کہ خدا امیرالمومنین کو اس صبر پر اجر دے۔ بولے گفتگو میں بائیں ہاتھ سے اشارہ نہ کرو۔ داہنے سے کرو۔ اس نے کہا کہ میں نے آج سے زیادہ تعجب انگیز واقعہ ہی نہیں دیکھا۔ ایک شخص اپنے محبوب ترین فرزند کو دفن کر رہا ہے پھر اس کو دائیں بائیں ہاتھ کا بھی خیال ہے۔

لوگ ان کی وفات پر تعزیت میں کتنے ہی رقت خیز فقرے استعمال کرتے لیکن وہ ان کے جواب میں ہمیشہ صبر وشکر کا اظہار فرماتے۔ ایک بار ربیع بن سبرہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ خداوند تعالیٰ آپ کو اجر جزیل دے۔ مجھے کوئی شخص نظر نہیں آتا کہ چند روز کے وقفہ میں اتنی عظیم الشان مصیبتوں میں مبتلا ہوا ہو۔ خدا کی قسم میں نے آپ کے بیٹے کا سا بیٹا آپ کے بھائی سا بھائی اور آپ کے غلام کا سا غلام نہیں دیکھا۔ یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے گردن جھکا لی۔ ربیع کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا تم نے امیرالمومنین کو بے قرار کر دیا۔ اب حضرت عمرؓ ابن عبدالعزیز نے سر اٹھایا اور کہا کہ ربیع تم نے کیا کہا؟ انھوں نے دوبارہ انہی فقروں کا اعادہ کیا بولے اس ذات کی قسم جس نے ان کی موت کا فیصلہ کیا۔ میں یہ نہیں پسند کرتا کہ یہ واقعات نہ ہوتے۔ عبدالملک کی وفات کے بعد جو خطبہ دیا اس میں کہا کہ بچپن سے آج تک وہ میرے دل کی مسرت اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ لیکن آج سے زیادہ وہ میری آنکھوں میں کبھی خنک نہیں معلوم ہوتے۔ ان کی وفات پر تمام ممالکِ محروسہ میں حکم بھیج دیا کہ ماتم ونوحہ نہ کیا جائے۔[1]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۲۶۴-۲۶۵۔

Marfat.com

تورع و دیانت ایک خلیفہ کی حفاظت میں سب سے زیادہ اہم امانت جو آتی ہے وہ بیت المال یعنی خزانہ ہے۔ اس کی دیانت کا اصلی معیار اسی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور واقعات بتاتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی دیانت ہمیشہ اس معیار پر ٹھیک اُتری۔

وہ رات کو خلافت کا کام بیت المال کی شمع سامنے رکھ کر انجام دیتے تھے۔ لیکن جب اپنا کام کرنا ہوتا تو اُس شمع کو اُٹھوا دیتے۔ اور ذاتی چراغ منگوا کر کام کرتے[1]

فرات بن مسلمہ ہر جمعہ کو ان کی خدمت میں سرکاری کاغذات پیش کیا کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے کاغذات دکھائے تو انھوں نے اُس میں سے بقدر ایک بالشت کے سادہ کاغذ لے لیا اور اپنے ذاتی کام میں لائے۔ چونکہ فرات کو ان کی دیانت کا حال معلوم تھا اس لیے انھوں نے دل میں کہا کہ امیرالمومنین سے بھول چوک ہو گئی۔ دوسرے دن انھوں نے ان کو مع کاغذات کے طلب کیا۔ وہ آئے تو ان کو کسی دوسرے کام کے لیے بھیج دیا۔ وہ پلٹے تو بولے کہ اب تک تمھارے کاغذات کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اس وقت جاؤ پھر بلا لوں گا۔ انھوں نے جا کر کاغذات کھولے۔ تو جتنا کاغذ کل لیا تھا اتنا اس میں موجود پایا۔

فقراء و مساکین کے لیے بیت المال کے مصارف سے جو مہمان خانہ قائم کیا تھا۔ اس سے نہ خود فائدہ اٹھاتے تھے نہ خاندان میں کسی شخص کو فائدہ اُٹھانے دیتے تھے۔ عام طور پر حکم دے رکھا تھا کہ ہمارے غسل اور وضو کا پانی مہمان خانہ کے باورچی خانہ میں گرم نہ کیا جائے۔ ایک بار ان کی لاعلمی میں ملازم نے ایک ماہ تک وضو کا پانی مطبخ عام میں گرم کیا۔ ان کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کر دی[2]

ایک بار سرکاری کوئلے سے گرم کیا ہوا پانی وضو کے لیے آیا تو وضو کرنے سے انکار کر دیا۔

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۹۵۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۸۴ - ۲۸۵۔

Marfat.com

ایک بار غلام کو گوشت کا ایک ٹکڑا بھوننے کے لیے دیا وہ سرکاری باورچی خانہ سے بھون لایا۔ تو بولے کہ تمھیں کھاؤ یہ تمھاری قسمت میں لکھا ہوا تھا۔ میری قسمت میں نہ تھا۔

ایک دن گھر میں آئے تو دیکھا کہ لونڈی ایک پیالے میں تھوڑا سا دودھ لیے ہوئے ہے بولے یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کی زوجہ حمل سے ہیں۔ ان کو دودھ کی خواہش ہوئی اور حمل کی حالت میں اگر عورت کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہو اور وہ پوری نہ کی جائے تو اس سے اسقاطِ حمل کا اندیشہ ہوجاتا ہے۔ اس لیے میں یہ دودھ دارالضیافۃ سے لائی ہوں۔ انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے بی بی کے پاس لے گئے اور کہا کہ اگر حمل کو فقراء اور مساکین کے کھانے کے سوا کوئی چیز قائم نہیں رکھ سکتی تو خدا اس کو قائم نہ رکھے۔ اب بی بی نے لونڈی سے کہا کہ اس کو واپس کر آؤ میں اسے نہ کھاؤں گی[1]

یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ اگر آپ خود مہمان خانہ کے کھانے سے احتراز کریں گے تو اور لوگوں کو بھی احتراز ہوگا۔ اب وہ باورچی خانہ میں معاوضہ داخل کر کے لوگوں کے ساتھ شریک طعام ہونے لگے۔

ایک بار انھوں نے اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ مجھے ایک رحل خرید دو۔ وہ ایک رحل لائے جس کو انھوں نے بہت پسند کیا۔ اور بولے کہ اس کو کہاں سے لائے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے سرکاری مال خانے میں یہ لکڑی پائی اور اسی کی یہ رحل بنوائی۔ بولے جاؤ۔ بازار میں اس کی قیمت لگواؤ۔ وہ گئے تو لوگوں نے نصف دینار قیمت لگائی۔ انھوں نے پلٹ کر خبر دی، تو انھوں نے کہا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ ہم بیت المال میں ایک دینار داخل کر دیں تو ذمہ داری سے سبکدوش ہوجائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ قیمت تو نصف دینار لگائی گئی ہے۔ بولے بیت المال میں دو دینار داخل کر دو[2]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۷۹۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۷۰۔

Marfat.com

ایک بار بیت المال سے مشک نکال کر ان کے سامنے رکھا گیا۔ اُنھوں نے اس خوف سے کہ خوشبو دماغ میں پہنچ جائے گی۔ ناک بند کر لی۔ اس پر ان کے ایک ہم نشین نے کہا کہ اگر آپ خوشبو سونگھ لیتے تو آپ کا کیا بگڑتا۔ بولے مشک خوشبو کے سوا اور کس فائدہ کے لیے خریدا جاتا ہے۔

ایک بار ایک شخص نے ان کی خدمت میں کھجوریں روانہ کیں۔ آدمی کھجوریں سامنے لایا تو پوچھا ان کو کس چیز پر لائے ہو؟ اس نے کہا کہ ڈاک کے گھوڑوں پر۔ چونکہ ڈاک کا تعلق سرکاری چیزوں سے تھا۔ اس لیے حکم دیا کہ کھجوروں کو بازار میں لے جا کر فروخت کر لاؤ۔ وہ بازار میں آیا تو ایک مروانی نے اُس کو خرید لیا۔ اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا۔ جب کھجوریں سامنے آئیں تو بولے کہ یہ تو وہی کھجوریں ہیں۔ یہ کہہ کر کچھ سامنے کھانے کے لیے رکھ لیں اور کچھ گھر میں بھیج دیا۔ لیکن بیت المال میں قیمت داخل کر دی۔

ایک بار انھوں نے لبنان کے شہد کا شوق ظاہر کیا۔ ابن سعدی کرب وہاں کے عامل تھے۔ ان کی بی بی نے ان کو کہلا بھیجا اور انھوں نے وہاں سے بہت سا شہد بھیج دیا۔ شہد سامنے آیا تو بی بی کی طرف خطاب کر کے کہا کہ غالباً تم نے سعدی کرب کے ذریعہ سے اس کو منگوایا ہے۔ پھر اس کو فروخت کروا کے بیت المال میں قیمت داخل کروادی۔ اور سعدی کرب کو لکھا کہ اگر تم نے دوبارہ ایسا کام کیا تو میں تمھارا منہ بھی دیکھنا پسند نہ کروں گا۔

ایک بار ان کی بی بی نے ڈاک کی سواری پر ایک آدمی کو روانہ کیا اور وہ دو دینار کا شہد خرید لایا۔ شہد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے سامنے آیا اور یہ واقعہ معلوم ہوا تو انھوں نے اس کو فروخت کر ڈالا۔ اور دو دینار واپس لے کر بقیہ قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔ اور کہا کہ تم نے مسلمانوں کے جانور کو عمر کے لیے تکلیف دی۔ دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر مسلمانوں کو میری قے سے فائدہ پہنچ سکتا تو میں قے کر دیتا۔

ایک بار سرکاری سیب تقسیم فرما رہے تھے۔ ان کا ایک صغیر السن بچہ آیا اور ایک

سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ انھوں نے سیب کو اس کے ہاتھ سے نہایت سختی کے ساتھ چھین لیا۔ بچہ روتا ہوا ماں کے پاس آیا۔ اس نے بازار سے سیب منگا کر اس کو دے دیا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز گھر میں آئے تو سیب کی خوشبو سونگھ کر بولے کہ کہیں سرکاری سیب تو گھر میں نہیں آئے۔ ان کی بی بی نے واقعہ بیان کیا تو بولے میں نے سیب اپنے بچے سے چھینا تو گویا اسے دل سے چھینا۔ لیکن مجھے یہ پسند نہ آیا کہ خدا کے سامنے مسلمانوں کے سیب کے لیے اپنے آپ کو برباد کر دوں[1]

ایک بار ان کی لڑکی نے ایک موتی بھیجا اور کہا کہ اس کا جوڑا بھیج دیجئے تاکہ میں کانوں میں ڈالوں۔ انھوں نے اس کے پاس آگ کی دو چنگاریاں بھیج دیں اور کہا کہ اگر تم ان چنگاریوں کو کان میں ڈال سکو تو میں اُس موتی کا جوڑا بھیج دوں[2]۔

خناصرہ میں اگرچہ اگلے خلفاء نے بہت سے مکانات بنوائے تھے۔ لیکن چوں کہ وہ بیت المال کی آمدنی سے تعمیر ہوئے تھے۔ اس لیے جب وہاں گئے تو ان مکانات میں اترنا پسند نہیں کیا۔ اور میدان میں قیام کیا[3]

جرأت و آزادی خلافت سے پہلے اگرچہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز ہمیشہ خلفاء کے ماتحت اور زیر اثر رہے۔ تاہم اُنھوں نے خلفاء کے سامنے ہر موقع پر اپنی آزادی کو قائم رکھا۔

ولید بن عبدالملک نے ان سے سلیمان بن عبدالملک کی بیعت فسخ کرانی چاہی تو انھوں نے صاف انکار کیا۔ اور کہا کہ اے امیرالمومنین ہم نے ایک ساتھ تم دونوں کی بیعت کی ہے۔ اس لیے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس کی بیعت فسخ کر دیں اور تمھاری قائم رکھیں۔

ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اور سلیمان بن عبدالملک کے غلاموں میں لڑائی ہوئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سلیمان کے پاس گئے تو اُس نے کہا یہ کیا بات ہے کہ تمھارے غلاموں نے ہمارے غلاموں کو مارا؟ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا کہ مجھے آپ کے کہنے سے پیشتر اس واقعہ

---

[1] یہ تمام واقعات سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے پچیسویں باب میں مذکور ہیں۔ [2] سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۶۳۔ [3] یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۸۔

Marfat.com

کی خبر نہ تھی۔ سلیمان نے کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ بولے تم کہتے ہو کہ میں جھوٹ کہتا ہوں۔ حالانکہ جب سے مجھے ہوش ہوا میں جھوٹ نہیں بولا۔ خدا کی زمین وسیع ہے جو آپ کی صحبت سے بے نیاز کر سکتی ہے۔ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھے اور مصر کا ارادہ کیا۔ بالآخر سلیمان نے خود ان کو منا کر بلایا۔

ایک دن سلیمان بن عبدالملک کے پاس اس کا بیٹا ایوب جس کو اس نے ولی عہد بنایا تھا بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ آئے تو ایک آدمی نے بعض خلفاء کی بیویوں کی وراثت طلب کی۔ سلیمان نے کہا کہ عورتیں جائداد نہیں پاتیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے سنا تو نہایت تعجب سے بولے۔ سبحان اللہ قرآن مجید کہاں ہے؟ سلیمان نے غلام کو بلایا اور کہا کہ عبدالملک نے اس کے متعلق جو تحریر لکھی ہے وہ اٹھا لاؤ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے طنزاً یہ کہا کہ تم قرآن منگواتے ہو۔ ایوب نے یہ طعنہ سنا تو بولا کہ امیرالمومنین کی خدمت میں اگر کوئی شخص اس قسم کی باتیں کرے گا تو ممکن ہے کہ دم زدن میں اس کی گردن اڑا دی جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ بولے کہ اگر تم خلیفہ ہو گئے تو رعایا کو اس سے بھی زیادہ صدمہ پہنچے گا۔ سلیمانؒ نے یہ گفتگو سنی تو ایوب کو ڈانٹا کہ عمر سے اس قسم کی باتیں کرتے ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا کہ ہم نے بھی تو کھری کھری سنائی۔

اسی جرأت و آزادی کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ خلفاء کو ہر قسم کی اخلاقی نصیحتیں کرتے تھے۔ اور ان کی ناراضی کی ان کو مطلق پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے ایک بار عبدالملک بن مروان کو ایک خط میں لکھا کہ

> تو ایک چرواہا ہے۔ اور ہر چرواہے سے اس کے مویشیوں کے متعلق سوال ہو گا۔ انس بن مالکؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے۔ کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ خدائے واحد۔ تم کو قیامت کے دن جمع کرے گا۔ اور خدا سے زیادہ صادق البیان کون ہو سکتا ہے۔

ایک بار سلیمان بن عبدالملک حج کے لیے روانہ ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ بھی ساتھ تھے۔ مقام عسفان کے قریب پہنچ کر اس نے اپنا لاؤ لشکر اور خیمہ و خرگاہ دیکھا تو عجب و غرور کے نشہ

Marfat.com

میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے پوچھا کہ تم کو یہ چیزیں کیسی نظر آتی ہیں۔ بولے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا دُنیا کو کھا رہی ہے۔ تم سے اس کا سوال اور مواخذہ کیا جائے گا۔ عرفات میں قیام کیا تو بادل آیا اور بجلی اس زور سے چمکنے لگی کہ سلیمان سہم کر اونٹ کے کجاوے پر سرنگوں ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا کہ یہ بادل تو رحمت لے کر آیا ہے۔ اگر عذاب لے کر آیا ہوتا تو کیا حال ہوتا؟ اس کے بعد سلیمان نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا کہ کتنے آدمی جمع ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا کہ یہ تمھارے فریق ہیں۔

ایک صحرا میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔ تو سلیمان نے گھبرا کر ایک لاکھ درہم حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو صدقہ کرنے کے لیے دیئے کہ اس کی برکت سے رعد و برق کی یہ آفت ٹل جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے کہا اس سے بہتر ایک کام ہے سلیمان نے کہا وہ کیا ہے؟ بولے بعض لوگ جن کی جائداد مغصوبہ تمھارے پاس ہے۔ انھوں نے تمھارے ساتھ آنا چاہا لیکن اب تک نہ پہنچ سکے۔ سلیمان نے ان کے تمام مال و جائداد واپس کر دیئے[1]

وقار متانت اور سنجیدگی کی وجہ سے شور و غل کو نہایت ناپسند کرتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ان کے پاس بلند آواز سے گفتگو کی تو فرمایا کہ یہ صرف کافی ہے کہ انسان کی بات اس کا ہم نشیں سن لے۔

مذاق کو نہایت ناپسند کرتے تھے۔ ایک بار خاندان بنو اُمیہ کے چند لوگ جمع ہوئے اور ان کے سامنے ظرافت آمیز گفتگو شروع کی۔ بولے تم لوگ اسی لیے جمع ہوئے ہو۔ صحبتوں میں قرآن مجید کے متعلق گفتگو کرو۔ ورنہ کم از کم شریفانہ باتیں تو ضرور ہونا چاہیئے[2]۔

جن اعضا کے نام لینے سے شرم آتی ہے۔ ان کا نام نہیں لیتے تھے۔ ایک بار بغل میں پھوڑا نکلا، لوگوں نے پوچھا کہ کہاں پھوڑا نکلا ہے۔ چونکہ بغل کا نام لینا پسند نہیں کرتے

---

[1] یہ تمام واقعات سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے آٹھویں باب میں مذکور ہیں۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۶۳

تھے۔ اس لیے کہا کہ میرے ہاتھ کے باطن میں[1]

اسی طرح ایک صحبت میں ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تیری بغل کے نیچے؟ بولے اس سے بہتر طریقے سے گفتگو کیوں نہیں کرتے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کیا فرمایا ہاتھ کے نیچے کہنا زیادہ بہتر تھا۔[2]

رحم دلی مزاج میں نہایت رحم دل تھا۔ ایک دن ایک بدو نے پُر درد الفاظ میں اپنی حاجت کا اظہار کیا تو رو پڑے۔ یہ رحم صرف انسانوں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ ان کو جانوروں تک کی تکلیف گوارا نہ تھی۔ ان کے پاس ایک خچر تھا۔ جس کو ان کا غلام کرایہ پر چلاتا تھا۔ کرایہ کی آمدنی معمولاً روزانہ ایک درہم تھی۔ ایک دن غلام ڈیڑھ درہم لایا۔ تو بولے یہ اضافہ کیونکر ہوا؟ اس نے کہا کہ آج بازار تیز تھا۔ بولے نہیں تم نے جانور سے زیادہ کام لیا۔ اس کو اب تین دن آرام لینے دو۔[3]

ڈاک کے جانوروں کے متعلق حکم دیا تھا کہ ان کے کوڑے کی نوک میں چبھنے والا لوہا نہ لگایا جائے اور ان کے منہ میں بھاری لگام نہ دی جائے۔[4]

مصر کے عامل حیان کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ مصر میں بار برداری کے اونٹوں پر ہزار رطل وزن کا بوجھ لادا جاتا ہے۔ اب میرے اس خط کے پہنچنے کے بعد مجھ کو یہ نہ معلوم ہو کہ کسی اونٹ پر چھ رطل سے زیادہ کا بوجھ لادا گیا۔[5]

شرم وحیا مزاج میں سخت شرم وحیا تھی۔ حمام میں جاتے تھے تو بعض خدام اور بعض بچوں کے سوا اندر کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

نصیحت پذیری (سلاطین کو خود بینی، پند و موعظت کے قبول کرنے سے باز رکھتی ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک اثر پذیر دل پایا تھا۔ اور اس کے ساتھ ان کو یقین تھا کہ خلافت کا بوجھ ایک ایسا بوجھ ہے۔ جو اگر دیانت کے ساتھ اٹھایا جائے تو تنہا نہیں اٹھ سکتا۔ اس لیے وہ علماء سے نصیحت کے طالب ہوتے تھے۔ اور ان کی نصیحتوں سے شدت

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۶۴۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۴۱۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۷۹

[4] کتاب الخراج ص ۱۱۵۔ [5] سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۶۶۔ [6] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۶۵

کے ساتھ متاثر ہوتے تھے۔ ایک بار امام حسن بصری کو لکھا کہ مجھے اختصار کے ساتھ نصیحت کیجئے۔ چنانچہ انھوں نے مختصر الفاظ میں چند نصیحتیں کیں۔

ایک بار تمام فقہائے عراق کو اس غرض سے طلب فرمایا۔ سب لوگ آئے۔ لیکن امام بصری نے علالت کا عذر کیا اور ایک نصیحت آمیز خط بھیجا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کو وہ خط ملا تو آنکھوں سے لگایا۔ اور اس کے مضمون سے اس قدر متاثر ہوئے کہ رو پڑے۔

جب خلیفہ ہوئے تو حضرت سالم بن عبداللہ اور محمد بن کعب ان کے پاس گئے۔ وہ باری باری دونوں سے نصیحت کے طالب ہوئے۔ انھوں نے نصیحتیں کیں تو شدتِ تاثیر سے رو پڑے۔ ایک بار ان کے سامنے آتش دان رکھا ہوا تھا۔ اسی حالت میں ایک شخص آیا تو اس سے انھوں نے نصیحت کی درخواست کی۔ اس نے نصیحت کی تو اس قدر روئے کہ آتش دان کی آگ آنسوؤں سے بجھ گئی۔[1] بعض علماء خود جاتے اور ان سے نصیحت کرنے کی خواہش کرتے۔ وہ بخوشی اجازت دیتے اور وہ نصیحت کرتے۔ ایک بار ابن اہتم ان کی خدمت میں گئے اور کہا کہ آپ کو مسرور کروں؟ بولے نہیں۔ کہا نصیحت کروں؟ بولے ہاں۔ چنانچہ انھوں نے ایک عام خطبہ دیا۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی طرف خطاب کیا۔

علماء نے ان کو جو جو نصائح کیے ہیں، ان سب کو علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب کے اکیسویں باب میں جمع کر دیا ہے، لیکن نہایت افسوس ہے کہ یہ مجموعہ پند و موعظت ایک ایسے شخص کے لیے موزوں نہیں ہے جو دین دار ہونے کے ساتھ دنیا دار بھی ہو۔ ان نصیحتوں میں آخرت کا تو بہت ذکر آیا ہے، لیکن اس عالم سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ حالانکہ ایک خلیفہ اور بادشاہ کی اصلی سعادت گاہ یہی دنیا ہے۔

زہد و تقشف | خلافت کے سلسلے نے سلیمان بن عبدالملک تک پہنچ کر قیصر و کسریٰ کا قالب اختیار کر لیا تھا۔ اور خود حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز خلافت سے پہلے اسی ٹھاٹھ کے ساتھ زندگی

---

[1] سیرت ابن الحکم ص ۱۰۹

Marfat.com

بسر کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

کان اذ ذاک لا یذکر	وہ اس وقت عدل وزہد میں کچھ
بکثیر عدل ولا زھد	ایسے مشہور نہ تھے۔

مدینہ کے گورنر مقرر ہو کر روانہ ہوئے تو ۳۰ اونٹ ذاتی ساز و سامان سے لدے ہوئے ساتھ ساتھ تھے۔ رجاء بن حیوٰۃ کا بیان ہے۔

کان عمر بن عبد العزیز	عمرؓ بن عبد العزیز سب سے زیادہ خوش
من اعطر الناس والبس	پوشاک، سب سے زیادہ خوشبو لگانے
الناس خیلھم فی	والے اور سب سے زیادہ مغرورانہ
مشتیہ [1]	انداز سے چلنے والے تھے۔

سیرۃ ابن عبد الحکم (ص ۲۱) میں ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز امویوں میں سب سے زیادہ عیش پسند تھے۔ جس راستے سے گزرتے اس میں خوشبو پھیل جاتی۔ ان کی مغرورانہ چال کا نام ہی "عمری چال" پڑ گیا تھا، اور ان کی حسن اور تبختر سے لونڈیاں ان کی نقل کرتی تھیں۔ خلیفہ ہونے کے بعد انھوں نے سب کچھ چھوڑ دیا۔ لیکن اس چال کو نہ چھوڑ سکے۔ ان کی تہ بند اس قدر نیچے لٹکتی تھی کہ جوتے کے اندر داخل ہو جاتی تھی۔ چادر کا گوشہ شانے سے گر جاتا تھا۔ لیکن وہ اس کو نہیں اٹھاتے تھے۔ مہر چہرے کے بجائے عنبر سے لگاتے تھے۔

ان کی خوشبو میں بوریوں لونگ ڈالی جاتی تھی۔ اور ڈاڑھی پر نمک کی طرح عنبر چھڑکتے تھے۔[2]
ریاح بن عبید کہتے ہیں کہ گورنری مدینہ کے زمانہ میں انھوں نے مجھے ایک جبہ خریدنے کا حکم دیا۔ میں دس اشرفی پر خرید کر لایا تو اس کو چھو کر بولے کہ مجھے اس میں کرختگی محسوس ہوتی ہے۔[3] خود حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کو اپنی عیش پرستی کا اعتراف تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔

---

[1] سیرۃ عمرؓ بن عبد العزیز ص ۱۵۱ - [2] سیرۃ عمرؓ بن عبد العزیز ص ۱۵۰ و ۱۵۱ - [3] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۱۵۰۔

Marfat.com

ثم تاقت نفسی ... الی	پھر مجھے لباس، خوشبو اور عیش پرستی کا
اللبس والعیش والطیب	شوق پیدا ہوا تو میری دانست میں نہ
فما علمت ان احدا من	میرے خاندان میں اور نہ دوسرے خاندان
اھل بیتی ولا غیرھم	میں کوئی شخص اس طرح امیرانہ زندگی
کان مثل ما کنت فیہ[1]	بسر کرتا تھا جس طرح کہ میں ۔

لباس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ جب میرے کپڑوں کو دیکھ لیتے تھے تو میں سمجھتا تھا کہ یہ پرانا ہو گیا۔[2]

لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی ان کی حالت میں دفعتاً انقلاب پیدا ہوا۔ پہلے وہ عمر بن عبدالعزیز تھے۔ اب عمر بن الخطاب ہو گئے۔ حسن بصری ہو گئے۔ امام زہری ہو گئے۔ چنانچہ علامہ ذہبی ان کی قدیم حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں ۔

ولکن تجدد له لما استخلف	لیکن جب خلیفہ ہوئے تو خداوند تعالیٰ
وقلبه الله نصار بعد فی	نے ان کو بالکل نئے قالب میں
حسن السیرۃ والقیام	بدل دیا۔ اب وہ عدل و انصاف
بالقسط مع جده لامه	میں اپنے نانا عمر کے، زہد میں
عمرو فی الزهد مع الحسن	حسن بصری کے اور علم میں امام
البصری وفی العلم مع	زہری کے مثل ہو گئے ۔
الزهری ،	

(رجاء بن حیوۃ جنھوں نے ان کی قدیم حالت کو دیکھا تھا۔ فرماتے ہیں کہ خلیفہ ہونے کے بعد ان کے لباس یعنی عمامہ۔ قمیض۔ قبا۔ کرتہ۔ موزہ اور چادر وغیرہ کی قیمت لگائی گئی تو صرف ۱۲ درہم ٹھہری۔ ریاح بن عبیدہ جنھوں نے دس اشرفی کا جبہ خرید کر ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور دو

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۶۶۔ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۶۴۔ [3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۴۶۔

ان کو کرخت معلوم ہوتا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ خلافت کے بعد میں ان کے لیے ان کا ایک جبہ صرف ایک اشرفی پر خرید کر لایا تو انھوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ کس قدر نرم ہے۔[1]

(ان کا بیان تھا کہ میرا دل خوش ہوا اور لباس کا مشتاق ہوا تو میں نے اس معاملہ میں اپنے تمام خاندان پر تفوق حاصل کیا۔ لیکن اس کے بعد خود ان کا بیان ہے کہ میرا دل آخرت کی طرف مائل ہوا۔ اور اب میں آخرت کو دنیا کے مقابل میں برباد کرنا نہیں چاہتا۔[2])

یونس بن شبیب جنھوں نے ان کو خلافت سے پہلے اس حالت میں دیکھا تھا کہ توند نکلی ہوئی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ خلافت کے بعد اگر میں گننا چاہتا تو بغیر چھوئے ہوئے اُن کی پسلیوں کو گن سکتا تھا۔[3]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ جس وقت بادشاہ نہ تھے۔ اُس وقت سب سے بڑے بادشاہ تھے۔ اور جب تاجِ خلافت سر پر رکھا تو بالکل راہب ہو گئے۔ خدم و حشم، عطر و لباس اور دوسرے سامانِ آرائش کو ۲۳ ہزار دینار پر فروخت کر کے خدا کی راہ میں دے دیا۔[4] چنانچہ جب اصطبل خانوں کے داروغہ آئے اور گھوڑوں اور سائیسوں کا خرچ مانگا تو حضرت عمر ابن عبدالعزیزؓ نے ان کو مختلف صوبوں میں بھیج دیا کہ فروخت کر کے ان کی قیمت خدا کی راہ میں دے دی جائے۔ غلاموں کے لیے تنخواہ وغیرہ کا سوال ہوا تو تمام صوبوں کے اندھے اپاہج اور یتیم جمع کرائے اور ان غلاموں کو ان پر تقسیم کر دیا۔[5] اور خود وہ ابراہیم ادہم بن گئے۔ جس کا اثر ان کے تمام مظاہرِ زندگی سے نمایاں ہوتا تھا۔

لباس کپڑا نہایت سادہ اور معمولی درجہ کا پہنتے تھے۔ اور ان میں متعدد پیوند لگے رہتے تھے۔ ایک بار قمیص کے گریبان میں آگے اور پیچھے دونوں طرف پیوند لگے ہوئے تھے۔ نماز جمعہ پڑھا کر بیٹھے تو ایک شخص نے کہا کہ اے امیرالمومنین! خدا نے آپ کو سب کچھ دیا ہے۔ کاش آپ عمدہ

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۵۰۔ یہی روایت کسی قدر اختلاف کے ساتھ سیرت ابن عبدالحکم ص ۴۸ میں موجود ہے۔

[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۶۶۔ [3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۵۲۔ [4] طبقات ابن سعد ص ۵۴۔ [5] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۵۹-۱۵۵

کپڑا پہنتے۔ یہ سن کر تھوڑی دیر تک گردن جھکالی۔ پھر سر اٹھا کر کہا۔ یہ میانہ روی تمول کی حالت میں اور عفو و درگزر کی قدرت کی حالت میں بہتر ہے[1]

ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے ان کو ایک ایسی قمیض پہنے ہوئے دیکھا۔ جس کے پورے دونوں شانوں کے درمیان پیوند لگا ہوا تھا[2]

اکثر اوقات جسم پر صرف ایک کپڑا رہتا تھا۔ اور اسی کو بار بار دھو کر پہنتے تھے۔ میمون کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک چادر چھ مہینے تک نہیں بدلی۔ وہی ہر جمعہ کو دھوئی جاتی تھی اور اس پر زعفران کا رنگ دے دیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن مسجد کے جانے میں دیر ہوئی کسی نے تاخیر کی وجہ پوچھی تو بولے کہ غلام کپڑے دھونے کو لے گیا تھا اور اس کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا[3]

(مسلمہ کا بیان ہے کہ میں مرض الموت میں ان کی عیادت کو گیا تو دیکھا کہ ایک میلی سی پھٹی ہوئی قمیض پہنے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ان کی بیوی فاطمہ سے کہا کہ امیر المومنین کی قمیض دھو ڈالو۔ دوسرے دن گئے تو بدن پر پھر وہی قمیض نظر آئی۔ بولے کہ میں نے تم کو قمیض اس لیے دھونے کو کہا کہ لوگ عیادت کو آتے ہیں۔ بولیں اس کے سوا ان کے پاس کوئی قمیض ہی نہیں[4]

غذا غذا نہایت معمولی کھاتے تھے۔ ایک بار صبح کو گھر سے دیر میں نکلے۔ اس لیے اہل صحبت کو خیال ہوا کہ کسی پر ناراض تو نہیں ہیں۔ ان کو اس کی اطلاع ہوئی تو بطور معذرت کے کہا کہ رات میں نے مسور اور چنے کی دال کھالی۔ اس لیے نفخ ہوگیا۔ اہل مجلس میں ایک صاحب بولے کہ اے امیر المومنین خداوند تعالیٰ تو اپنی کتاب میں کہتا ہے۔

فکلوا من طیبات	ہم نے تم کو جو کچھ دیا ہے ان میں
ما رزقناکم۔	سے بہترین چیزیں کھاؤ۔

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۴۶۔ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۸۰۔ [3] طبقات ص ۲۹۶۔
[4] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۵۴۔ [5] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۹۳۔

Marfat.com

بولے افسوس تم نے اس کے الٹے معنی لیے ہیں۔ اس سے مراد وہ مال ہے جو کسبِ حلال سے حاصل کیا جائے لذیذ کھانا مراد نہیں[1]۔

(محمد بن زبیر الحنظلی کا بیان ہے کہ میں ایک شب ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ روٹی کے ٹکڑے زیتون کے تیل کے ساتھ کھا رہے ہیں[2])

ایک دن انھوں نے اندر گھر ایک شخص کو بلا لیا۔ وہ اندر پہنچا تو دیکھا کہ ایک دسترخوان پر ایک طشت رومال سے ڈھکی ہوئی رکھی ہے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نماز پڑھ رہے ہیں۔ نماز پڑھ چکے تو دسترخوان کو سامنے کھینچ کر کہا کہ آؤ کھاؤ۔ کہاں وہ مصر و مدینہ کی زندگی اور کہاں یہ زندگی یہ کہہ کر رو پڑے اور پھر کچھ نہ کھایا[3]

ایک بار ان کے خادم کو دال کھانے کے لیے ملی۔ تو بولا روز روز دال۔ اس کی سیدہ نے کہا کہ تمھارے آقا امیر المومنین کی بھی یہی غذا ہے[4]۔ لیکن یہ معمولی غذا بھی زمانہ خلافت میں کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی[5]۔

مکان | قصر و محل لازمۂ امارت ہیں۔ لیکن انھوں نے عمر بھر ذاتی حیثیت سے کوئی عمارت تعمیر نہیں کی۔ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے۔ آپ دنیا سے رخصت ہوئے اور اینٹ کو اینٹ پر اور شہتیر کو شہتیر پر نہیں رکھا[6]۔ یہاں تک کہ گھر میں ایک بالاخانہ تھا۔ جس کے زینے کی ایک اینٹ ہلتی تھی۔ جس سے اُترتے چڑھتے ہر وقت گرنے کا خوف معلوم ہوتا تھا۔ ایک دن ان کے غلام نے اس کو مٹی سے جوڑ دیا۔ وہ چڑھے تو اس کی حرکت محسوس نہیں ہوئی۔ غلام سے پوچھا تو اس نے واقعہ بیان کیا۔ بولے مٹی کو اکھیڑ ڈالو۔ میں نے خدا سے عہد کر لیا تھا کہ اگر خلیفہ ہوں گا تو ایک اینٹ بھی دوسری اینٹ پر نہ رکھوں گا[7]۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۷۰۔ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۷۰۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۱۵۱۔
[4] سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۱۵۲۔ [5] طبقات ابن سعد ص ۲۵۴۔ [6] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۱۵۱۔
[7] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۱۵۷۔

گھر میں کسی قسم کا ساز و سامان نہ تھا۔ ایک بار عراق سے ایک عورت آئی۔ اور ان کے گھر میں جاکر دیکھا کہ کسی قسم کا ساز و سامان نہیں ہے۔ بولی کہ میں اسی ویران گھر سے اپنا گھر آباد کرنے آئی ہوں۔ ان کی بیوی فاطمہ نے کہا کہ تمھیں جیسے لوگوں کے گھروں کی آبادی نے اس گھر کو ویران کر رکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ آئے اور اس نے اپنی پانچ لڑکیوں کی ناداری بیان کی تو ان میں چار[4] کا وظیفہ مقرر کر دیا[1]

اہل وعیال بی بی سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ان کی بی بی فاطمہ کا بیان ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد ان کو کبھی غسل جنابت کی ضرورت نہیں ہوئی۔ میں نے ایک بار کسی فقیہ کے یہاں کہلا بھیجا کہ امیرالمومنین جو کر رہے ہیں یہ جائز نہیں ہے۔ وہ بی بی سے بالکل تعلق نہیں رکھتے۔ انھوں نے ان سے ذکر کیا تو بولے کہ جس کی گردن پر تمام امت محمدیہ کا بوجھ ہو اور قیامت کے دن اس کا مواخذہ کیا جائے۔ وہ کیونکر ان تعلقات کو قائم رکھ سکتا ہے۔

لونڈیاں جو تھیں، ان کو اختیار دے دیا تھا کہ جس کا جی چاہے آزاد ہو جائے اور جو رہنا چاہیں وہ رہیں۔ لیکن ان کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا[2]

روزانہ خرچ کل دو درہم تھا[3] جس کا بار کبھی بیت المال پر نہیں ڈالا۔ ذاتی آمدنی جو کچھ تھی وہ بھی خلافت کے بعد کم ہو گئی۔ کیونکہ اموال مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ میں انھوں نے سب سے پہلے خود اپنی جائدادیں واپس کیں۔ جس وقت خلیفہ ہوئے تھے۔ ان کی جائداد کا منافع پچاس ہزار دینار تھا۔ لیکن وفات کے وقت گھٹ کر دو سو دینار رہ گیا[4] ایسی حالت میں اہل وعیال نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک بار عبداللہ بن زکریا ان کے یہاں گئے اور ان کے اہل وعیال کی تنگ دستی کو دیکھ کر ان کا دل بھر آیا۔ بولے کہ یا امیرالمومنین آپ اپنے عمال کو سو سو دینار دو دو سو دینار بلکہ

---

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۷۷۔ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۹۳۔ [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷

[4] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۷۲ ایک روایت میں ہے کہ خلافت کے وقت ان کی جائداد کا منافع ۴۰ ہزار تھا جو گھٹ کر چار ہزار دینار رہ گیا۔

اس سے بھی زیادہ مشاہرہ دیتے ہیں۔ بولے اگر وہ قرآن وحدیث کے مطابق عمل کریں تو یہ بہت کم ہے۔ میں ان کو معاش کے جھگڑوں سے بالکل نجات دلانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ جب یہ جائز ہے اور جبکہ آپ خود ان سے زیادہ کام کرتے ہیں تو آپ بھی مشاہرہ لیجئے۔ اور اپنے اہل وعیال کو فارغ البال کیجئے۔ کیوں کہ وہ بہت محتاج ہیں۔ بولے کہ تم نے یہ ہماری ہمدردی اور بھلائی کی نیت سے کہا ہے۔ پھر بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھ کر بولے۔ لیکن یہ گوشت کل کا کل خدا کے مال سے پیدا ہوا ہے۔ اور اب میں خدا کے مال سے اس میں کوئی اضافہ کرنا نہیں چاہتا۔

ایک بار گھر میں ضروریات معاش کے لیے کچھ نہ تھا۔ ان کے غلام مزاحم سخت پریشان ہوئے کہ کیا انتظام کیا جائے۔ مجبوراً ایک شخص سے پانچ دینار قرض لیے۔ یمن کی جائداد کا منافع آیا تو وہ نہایت خوش ہو کر اس کے پاس گئے کہ ابھی قرض ادا کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھر میں گئے تو سر پر ہاتھ رکھ کر نکلے اور کہا کہ خدا امیر المومنین کو اجر دے۔ خدا امیر المومنین کو اجر دے۔ اس رقم کو بھی جو ان کی ذاتی رقم تھی۔ بیت المال میں داخل کر دیا۔[۱]

ایک بار گھر میں گئے اور بی بی سے کہا کہ ایک درہم ہے۔ میں انگور خریدنا چاہتا ہوں؟ بولیں نہیں فرمایا ایک پیسہ ہوگا؟ انھوں نے غصہ کے لہجے میں جواب دیا کہ تم امیر المومنین ہو کر ایک درہم بلکہ ایک پیسے کی بھی مقدرت نہیں رکھتے۔ بولے جہنم کی ہتکڑیوں سے یہ زیادہ آسان ہے۔[۲]

بچوں سے اگرچہ نہایت محبت رکھتے تھے۔ لیکن اس محبت کا اظہار کبھی دنیوی زیب و زینت اور عیش وعشرت کی صورت میں نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار انھوں نے اپنی لڑکی امینہ کو نہایت پیار سے پاس بلایا۔ لیکن وہ نہ آئی۔ اب ایک آدمی کو بھیج کر بلوایا اور نہ آنے کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا میرے پاس کپڑا نہ تھا۔ مزاحم کو حکم دیا کہ فرش کو پھاڑ کر اس کے لیے ایک قمیض تیار کروا دو۔ حسن اتفاق سے لڑکی کی پھوپھی ام البنین نہایت دولت مند تھیں۔ ایک آدمی

---

[۱] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۱۶۲ ۔ [۲] سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۱۵۴ ۔

Marfat.com

ان کے پاس گیا اور واقعہ بیان کیا انھوں نے ایک تھان کپڑا بھیج دیا اور کہا کہ عمر سے کچھ نہ مانگو

ایک بار ان کے صاحبزادے عبداللہ آئے اور کپڑے مانگے۔ انھوں نے ان کو خیار بن رباح بصری کے پاس بھیج دیا۔ کہ ہمارے کپڑے وہاں رکھے ہوئے ہیں۔ وہ گئے تو خیار نے گاڑھے کے کپڑے نکال کر سامنے رکھ دیئے۔ اور کہا کہ جس قدر ضرورت ہو لے لو۔ انھوں نے کہا کہ یہ میری اور میرے خاندان کی پوشش نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ امیر المومنین کے یہی کپڑے ہیں۔ جو میرے پاس ہیں عبداللہ پلٹے اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ سے واقعہ بیان کیا تو بولے ہمارے پاس یہی کپڑے ہیں۔ اس انھوں نے مایوس ہو کر پلٹنا چاہا تو بولے کہ اگر لینا چاہو تو میں تمھارے وظیفہ میں سے سو دینار پیشگی سکتا ہوں۔ وہ راضی ہو گئے تو انھوں نے سو اشرفیاں دلوا دیں لیکن جب وظیفہ تقسیم ہوا تو اس کو مجرا لیا [2]

ان کی اولاد میں اگر کوئی بیش قیمت چیز کا استعمال کرتا تو اس کو بھی منع کرتے۔ ایک بار ان کے ایک صاحبزادے نے انگوٹھی بنوائی اور اس کے لیے ہزار درہم کا نگینہ خریدا۔ حضرت عمر بن عبد کو معلوم ہوا تو لکھا کہ اس انگوٹھی کو فروخت کر ڈالو۔ اور اس رقم سے ہزار بھوکوں کا پیٹ بھرو۔ اور ایک لوہے کی انگوٹھی خرید کر اس پر یہ عبارت کندہ کرا لو۔ خدا اس شخص پر رحم کرے جس اپنی قدر پہچانی۔ [3]

وہ معمولاً عشاء کے بعد اپنی لڑکیوں کے یہاں جایا کرتے تھے۔ ایک رات گئے اور لڑکیوں نے آنے کی آہٹ پائی تو ہاتھ سے اپنے منہ بند کر کے دروازے تک آئیں۔ انھوں نے اس وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس شب کے کھانے میں مسور کی دال اور پیاز کے سوا کچھ نہ تھا اس لیے انھوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ آپ ان کی ناگوار بو سونگھیں۔ اس پر وہ رو پڑے اور کہا اے میری لڑکیو! تم کو اس سے کیا فائدہ ہو گا کہ تم طرح طرح کے کھانے کھاؤ اور تمھارا باپ دو

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷۵ - [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷۳ - [3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷۵ -

کی آگ میں جھونک دیا جائے۔ یہ سن کر تمام لڑکیاں چیخ مار کر رو پڑیں[1]

تقویٰ و تورع | بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر جائز معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ بھی شبہہ سے خالی نہیں ہوتیں۔ تقویٰ و تورع کا تعلق انہی چیزوں سے ہے۔ اور بہت کم لوگ اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ میں یہ وصف بدرجۂ اتم موجود تھا۔ اگر کبھی ذمیّوں کے یہاں مہمان ہوتے اور وہ لوگ دودھ اور ترکاری وغیرہ لاتے تو ان سے زیادہ معاوضہ دے کر ان چیزوں کو استعمال میں لاتے۔ اور اگر وہ معاوضہ لینے سے انکار کرتے تو ان چیزوں کو نہ کھاتے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان کوئی چیز ہدیتہً دیتا تو اس کو سرے سے قبول ہی نہیں کرتے۔ ایک بار انھوں نے سیب کی خواہش ظاہر کی۔ ان کے خاندان کا ایک شخص اٹھا اور ان کی خدمت میں ایک سیب ہدیتہً بھیج دیا۔ آدمی سیب لے کر آیا تو اس کو قبول تو نہیں کیا۔ لیکن اخلاقاً فرمایا کہ جاکر کہہ دو کہ آپ کا ہدیہ پسندِ خاطر ہوا۔ اس نے کہا یہ تو گھر کی چیز ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ بے شبہہ ہدیہ تھا۔ لیکن وہ ہمارے لیے رشوت ہے۔[2]

توکل | حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو توکل علی اللہ نے تمام خطرات سے بے پروا کر دیا تھا۔ ایک بار ان سے بہت سے لوگوں نے کہا کہ آپ کھانا دیکھ بھال کے کھائیں۔ نماز پڑھیں تو ساتھ ساتھ پہرہ دار رکھیں کہ کوئی شخص حملہ نہ کر بیٹھے۔ طاعون میں جیسا کہ تمام خلفاء کا طریقہ تھا باہر نکل جائیں۔ بولے کہ آخر وہ لوگ کیا ہوئے؟ جب ان لوگوں نے سخت اصرار کیا تو فرمایا کہ خداوندا! اگر میرے علم میں روزِ قیامت کے سوا اور کسی دن سے ڈروں تو میرے خوف کو اطمینان نہ دے۔[3]

چونکہ خوارج کے ناگہانی حملوں سے تمام خلفاء کی زندگی غیر محفوظ ہو گئی تھی۔ اس لیے خلفاء کی حفاظت کے لیے بہ کثرت پہرہ دار رہتے تھے۔ جس کی ابتدا حضرت امیر معاویہؓ نے کی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اگرچہ کلیتہً ان پہرہ داروں کو معزول نہیں کیا۔ تاہم ان سے صاف صاف

---

[1] سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۵۵۔ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۶۰۔ [3] طبقات ابن سعد ص ۲۹۴۔

کہہ دیا کہ میں تم سے بالکل بے نیاز ہوں۔ تقدیر الٰہی میری حفاظت کے لیے کافی ہے۔ تم میر
جس کا جی چاہے رہے۔ جس کا جی چاہے چلا جائے[1]

پاسِ خاندان حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اگرچہ مذہبی حیثیت سے اپنے خاندان کے آئین جہانبا
کو ناپسند کرتے تھے۔ تاہم ان کو اپنے خاندان کی عزت و حرمت کا کچھ کم پاس نہ تھا۔

ایک بار خوارج نے ان سے اثنائے مناظرہ میں کہا کہ جب تک آپ اپنے خاندان سے
تبری اور ان پر لعنت ملامت نہ کریں گے، ہم آپ کی اطاعت قبول نہ کریں گے۔ بولے کہ
تم نے فرعون پر لعنت کی ہے؟ ان سب نے کہا نہیں، بولے جب تم نے فرعون سے درگزر کی
میں اپنے خاندان سے کیوں نہ چشم پوشی کروں درآنحالیکہ ان میں برے بھلے نیک و بد ہر قسم
کے لوگ تھے[2]

ایک بار کسی نے حضرت امیر معاویہؓ کو برا بھلا کہا۔ تو انھوں نے اس کو تین کوڑے مارے
اور تمام زمانہ خلافت میں صرف یہی تین کوڑے تھے۔ جو انھوں نے اپنے ہاتھ سے مارے تھے[3]۔

اعزہ سے محبت حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اعزہ و اقارب سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ان
کے چچا عبداللہ بن مروان کا انتقال ہوا تو اگرچہ اس زمانہ میں وہ امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ تا
سامان عیش کو تہ کر کے رکھ دیا اور دو ڈھائی مہینے تک صرف کمبل پہنتے رہے۔ قاسم بن محم
نے سمجھایا تو پھر اپنی اصلی حالت پر آئے۔[4]

بیٹوں میں عبدالملک سے بہت زیادہ محبت تھی۔ ایک بار میمون بن مہران سے کہا
میرا بیٹا عبدالملک میری آنکھوں میں کھپ گیا۔ کہیں میرے جذبات عقل پر تو غالب نہیں آگ
ہیں۔ چاہتا ہوں کہ آپ آکر اس کے علم و فضل کا امتحان لیں[5]

دشمنوں کے ساتھ رفق و ملاطفت دشمنوں کے ساتھ نرمی کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے۔ جو انتہ

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۹۸۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۷۷۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعز
ص ۲۸۳۔ [4] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۳۵۔ [5] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۶۳۔

درجہ کے شریف ہوں ۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اسی قسم کے لوگوں میں تھے ۔ اسلام میں خوارج کا فرقہ ہمیشہ خلفاء کا دشمن رہا ہے ۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہمیشہ اس فرقہ کے ساتھ رفق و ملاطفت کا برتاؤ کیا ۔ ایک بار کسی خارجی نے سلیمان بن عبدالملک کو فاسق اور فاسق زادہ کہا ۔ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے رائے طلب کی تو بولے کہ جس طرح اس نے آپ کو بُرا بھلا کہا ہے ، آپ بھی کہہ لیجئے[1]

ایک بار چند خارجی ان کی خدمت میں آئے اور مناظرہ کرنا شروع کیا ۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کے بعض ہم نشینوں نے کہا کہ ذرا بگڑ کر ان کو مرعوب کیجئے ۔ لیکن وہ ان سے نہایت نرم خوئی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ وہ سب ایک خاص شرط پر راضی ہو کر چلے گئے ۔ اب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے ہم نشین کے زانو پر ہاتھ مار کر کہا کہ جب تک دوا سے صحت ممکن ہو کسی کو داغنا نہیں چاہیئے[2]

خارجیوں کے ساتھ معرکۂ کارزار پیش آیا تو بہ ہزار دقّت ان شرائط کے ساتھ جنگ کی اجازت دی کہ عورت ۔ بچے ۔ قیدی قتل نہ کیے جائیں ۔ زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے ۔ جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے وہ انہی کے اہل و عیال کو واپس دے دیا جائے ۔ قیدی اس وقت تک قید رکھے جائیں ۔ جب تک کہ راہ راست پر آ جائیں ۔

ان کے نزدیک حجاج اس قدر مبغوض شخص تھا کہ اس کے تمام خاندان کو جلاوطن کروایا تھا ۔ اور تمام عمال کو ہدایت کی تھی کہ اس کی روش اختیار نہ کریں ۔ لیکن بایں ہمہ جب ان کے سامنے ریاح بن عبیدہ نے حجاج کو گالی دی تو روکا اور بولے اے ریاح جب مظلوم ظالم کو خوب بُرا کہہ کر اپنا بدلہ لے لیتا ہے تو ظالم کو اس پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے[3]

ان کے تمام دشمنوں کو ان کی اس رفق و ملاطفت کا اس قدر یقین تھا کہ جراح نے جب مخلد بن یزید المہلب کو ان کے حکم سے گرفتار کیا ۔ تو اس کے ساتھ قید کی حالت میں اس قدر نرمی

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۳۹ ۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۶۲ ۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۸۹ ۔ ۹۰ ۔

Marfat.com

کی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان کو لکھا کہ تم آلِ مہلب کی ماں ہو جو اس کے لیے بستر بچھاتی
اور اس پر اس کو سلاتی ہے۔ لیکن جب با اینہمہ اس نے خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دربار
حاضری کو اس عیش و آرام پر ترجیح دی تو اس کا یہ خیال صحیح نکلا۔ چنانچہ جب وہ ان کی خدمت
میں حاضر ہوا تو انھوں نے اس کو بالکل رہا کر دیا [۱]

اہل حاجت کی امداد (جو لوگ محتاجِ اعانت ہوتے تھے، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز ہر ممکن
سے ان کی امداد کرتے تھے۔ اپنی ہم نشینی کے لئے جو شرطیں مقرر کی تھیں، ان میں ایک
یہ تھی کہ میرے ہم نشینوں کو مجھ تک ان لوگوں کی حاجتیں پہنچانا چاہئیں، جو خود ان کے پہنچنے
کی استطاعت نہیں رکھتے [۲]

ایک بار ان کے سامنے ایک چور پیش کیا گیا، تو اس نے احتیاج کا عذر پیش کیا
انھوں نے اس کا عذر قبول کیا اور اس کو دس درہم دلوائے [۳]

ایک بار ایک بدو آیا اور اپنی حاجت کو نہایت پُر درد الفاظ میں پیش کیا۔ حضرت
عمر بن عبدالعزیزؓ نے گردن جھکا لی، اور آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہو گئے۔ سر اٹھا کر پوچھا
تم سب کتنے آدمی ہو؟ اس نے کہا ایک میں اور آٹھ بیٹیاں۔ انھوں نے بیت المال سے ان
کے وظائف مقرر کر دیئے۔ اور سو درہم ذاتی طور پر اپنی جیب سے دیئے۔ [۴]

جب خمس کے غلاموں کی کثرت ہو جاتی تو دو اپاہجوں کی خدمت کے لیے ایک خادم
اور ہر اندھے کی رہبری کے لیے ایک غلام عطا فرماتے [۵]

یہ قاعدہ تھا کہ جب ان کے ڈاک کے چلتے تو جو شخص خط دیتا اس کو لے لیتے۔ چنانچہ
ایک بار مصر سے ڈاکیہ چلا تو ایک شخص کی لونڈی نے اس کو خط دیا کہ اس کے گھر کی دیوار
قدر پست ہے کہ لوگ اس کو پھاند کر مرغیاں چرا لے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے عامل شہر

---

۱ سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۹۶۔ ۲ سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۶۴۔ ۳ سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص
۴ سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۴۷۔ ۵ سیرت ابن الحکم ص ۵۵۔

کو لکھا کہ میرے خط کے پہنچنے کے ساتھ ہی فوراً جاؤ اور اس کی دیوار اونچی کردو۔ اسی کے ساتھ اس لونڈی کو بھی اس کی اطلاع دی[1]

عیادت و عزاداری اگرچہ امراء و سلاطین بہت کم گھر سے باہر قدم نکالتے ہیں لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ دوست و دشمن کی عیادت و تعزیت کو بے تکلف جاتے تھے۔ اوران کو تسلی دیتے تھے۔ ایک بار ابوقلابہ شام میں بیمار ہوئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اور کہا کہ ابوقلابہ چاق وچست ہو جاؤ۔ اور ہم پر منافقین کو ہنسنے کا موقع نہ دو۔

ایک بار ایک شخص کا لڑکا مر گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس کے پاس تعزیت کو گئے۔ وہ نہایت صابر و شاکر آدمی تھا۔ لوگوں نے کہا رضا و تسلیم اس کا نام ہے۔ بولے رضا نہیں صبر ہے[2]

عمر بن عبداللہ بن عتبہ کے باپ نے انتقال کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے پاس ایک تعزیت نامہ بھیجا۔ جس میں لکھا کہ ہم آخرت کے رہنے والے ہیں۔ دنیا میں آکر قیام کر لیا ہے۔ مردے اور مردوں کے بیٹے ہیں تو کس قدر تعجب ہے۔ اُس مردے پر جو مردے کو خط لکھتا ہے۔ اور مردے کی تعزیت دیتا ہے[3]

ہر دلعزیزی حدیث شریف میں آتا ہے۔

اذا احب اللہ العبد قال	خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے
لجبرئیل قد احببت فلانا	تو جبرئیل سے کہتا ہے کہ میں فلاں سے
فاحبہ فیحبہ جبرئیل ثم ینادی	محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔
فی اھل السماء ان اللہ	اس لیے جبرئیل اس سے محبت کرتے ہیں۔
قد احب فلانا فاحبوہ	پھر آسمان کے رہنے والوں میں منادی کرتے
فیحبہ اھل السماء یضع لہ القبول	ہیں کہ خدا فلاں سے محبت کرتا ہے تم لوگ

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص ۶۵۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۷۶۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۱۴۔

Marfat.com

فی الارض۔ بھی اس سے محبت کرو۔ اس لیے آسمان

- - - - - - والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس

- - - - - - کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں مقبول

- - - - - - عام بنا دیتا ہے۔

مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا یہ سب سے بڑا درجہ ہے اور محاسن اخلاق کی بدولت حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو یہی درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ وہ ایک بار موسم حج میں عرفات سے گزرے تو تمام لوگوں کی نگاہیں اٹھ گئیں۔ سہیل بن ابی صالح جو متذکرہ بالا حدیث کے راوی ہیں۔ وہ بھی اس میں موجود تھے۔ انھوں نے یہ حالت دیکھی تو اپنے باپ سے کہا کہ میرے خیال میں خدا عمر کو محبوب ہے۔ انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی جگہ ہے۔ اس کے بعد یہ بیان کی[1]

صرف مسلمانوں کی خصوصیت نہیں بلکہ ان کے عدل و انصاف نے ان کو غیر قوموں کی نگاہ میں محبوب بنا دیا تھا۔ ایک بار ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیزؒ کا گزر جزیرہ سے ہوا تو ایک راہب جو کبھی اپنے صومعہ سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ نکلا اور پوچھا کہ تمھیں معلوم ہے میں کس غرض سے اپنے گوشہ تنہائی سے باہر آیا ہوں۔ انھوں نے کہا۔ نہیں۔ اس نے کہا صرف تمھارے باپ کے حق کی بناء پر کیونکہ ہم ان کو ائمہ عدل میں پاتے ہیں۔[2]

عُلماء کی قدر دانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو اگرچہ خلافت کے تعلق سے ہر قسم کے لوگوں سے میل جول رکھنا پڑتا تھا۔ تاہم ان کا اصلی میلان اہل علم کی طرف تھا۔ اس لیے مختلف طریقوں سے ان کی قدر دانی کرتے تھے۔ عدی بن ارطاۃ نے جب تمام مسائل شرعیہ میں ان سے مشورہ لینا شروع کیا تو ہدایت کی کہ حسن بصری سے مشورہ لینا کافی ہے[3]۔ خود کوئی فیصلہ کرتے تھے تو لازمی طور پر سعید بن مسیب سے مشورہ لیتے تھے۔

[1] زرقانی شرح موطا جلد ۴ ص ۷۶۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۰۱۔

Marfat.com

ایک بار ایک آدمی کو ان کے پاس کسی مسئلہ کے دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ خود ان کو لایا۔ بولے کہ قاصد نے غلطی سے آپ کو تکلیف دی۔ ہم نے صرف یہ کہا تھا کہ آپ سے صرف مسئلہ پوچھ کے چلا آئے[1]

ہمیشہ علمار کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ بسر بن سعید کا انتقال ہوا تو انھوں نے کفن کا سامان نہ چھوڑا۔ اور عبداللہ بن عبدالملک کا انتقال ہوا تو اس نے لاکھوں روپئے چھوڑے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ کو دونوں کی موت کا حال معلوم ہوا تو بولے کہ دونوں کا ایک ہی انجام ہوتا تو میں عبداللہ بن عبدالملک ہی کی زندگی کو ترجیح دیتا۔ اس پر مسلمہ بن عبدالملک نے کہا کہ بسر بن سعید کی زندگی اختیار کرنا، آپ کے خاندان میں خودکشی کرنا ہے۔ بولے جو کچھ ہو لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم اہل فضل کا تذکرہ چھوڑ دیں[2]

اکثر علمار سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے، اور جب ان میں کوئی آتا تو اس سے نہایت گرم جوشی سے ملتے۔ اور اس سے صحبتِ خاص رکھتے۔ ایک بار ایک عالم جو ان کے دوست تھے آئے تو ان کو اپنے پاس بٹھایا اور خلوت میں لے جاکر دیر تک گفتگو کرتے رہے[3]

شاعری وخطابت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ کو اگرچہ شعر وسخن کا ذوق نہ تھا۔ تاہم کبھی کبھی اخلاقی اشعار خود کہتے تھے۔ اور کبھی کبھی دوسروں کی زبان سے سنتے تھے۔ چنانچہ محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب کے تیئسویں باب میں اس قسم کے اشعار کو جمع کر دیا ہے۔[4]

ایک لحنِ خاص کے موجد بھی تھے، جو مدینہ میں رائج ومقبول تھا[5]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ کے خطبات ومواعظ بکثرت ہیں۔ جن کو محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب کے بتیسویں باب میں جمع کر دیا ہے۔ منبر پر وہ بالکل ابراہیم ادہم اور حضرت بایزید بسطامی کے قالب میں نمایاں ہوتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں انہی کی زبان سے کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۱۰۱۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۹۰ تذکرہ سعید بن المسیب۔
[3] طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۰۸۔ [4] طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۵۵ [5] سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ص ۲۳۰۔

Marfat.com

جب پہلا خطبہ دیا تو تمام خطباء و شعراء دفعتہً ان سے الگ ہو گئے۔ اور فقہاء و زہاد نے کہا جب تک ان کے قول و فعل میں تخالف نہ ہو ہم ان کو چھوڑ نہیں سکتے[1]

ارباب صحبت خلافت سے پہلے اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ رنگین مزاج لوگوں سے صحبت رکھتے تھے۔ لیکن خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی انھوں نے تمام سامان عیش و طرب کے ساتھ اس قسم کے احباب سے بھی قطع تعلق کر لیا۔ چنانچہ خلافت کے بعد جب لوگ ان کی خدمت میں آئے تو انھوں نے صرف نیک اور پرہیز گار لوگوں کو باریابی کا موقع دیا۔ اور ایک قدیم دوست کو اس شرف سے محروم رکھا۔ بعض لوگوں نے اس معاملہ میں گفتگو کی تو بولے جس طرح ہم نے رنگین کپڑے چھوڑ دیئے۔ اسی طرح رنگین مزاج دوستوں سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے پہلے خلفاء کی بزم طرب میں سب سے زیادہ ہجوم شعراء کا ہوتا تھا۔ اس بناء پر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ خلیفہ ہوئے تو حجاز و عراق کے تمام شعراء نے ان کے دربار کا رخ کیا اور تمام بڑے بڑے شعراء شلاً نصیب۔ جریر۔ فرزدق۔ احوص اور اخطل وغیرہ آئے اور مہینوں قیام کیا۔ لیکن یہاں مجلس ہی کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ شعراء کی کوئی قدر دانی نہیں کی جاتی تھی۔ قراء و فقہاء اطراف سے بلائے جاتے تھے۔ اور ان کو خواص میں داخل کیا جاتا تھا۔ مجبوراً بعض شعراء نے ایک فقیہ سے اعانت طلب کی اور اپنی کساد بازاری کا اظہار ان اشعار میں کیا۔

یا ایها القاری المرخ عمامته	هذا زمانك انی قد مضی زمنی
اے وہ قاری جس کا عمامہ لٹک رہا ہے	یہ تیرا زمانہ ہے۔ میرا زمانہ گذر گیا
ابلغ خلیفتنا ان کنت لاقیة	انی لدی الباب کالمصفود فی قرن
اگر ہمارے خلیفہ سے ملو تو اس کو یہ پیغام پہنچا دو	کہ میں دروازے پر بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں

بہرحال حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے خلفاء کی مجالس کا رنگ بالکل بدل دیا۔ اور اپنی صحبت

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۹۶۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۴۷۔

Marfat.com

احباب کے لیے صرف علماء و فقہاء کو انتخاب کیا۔ جس میں میمون بن مہران۔ رجاء بن حیوٰۃ اور ریاح بن عبیدہ گنا۔[1]
اص میں شمار تھا۔ ان کے علاوہ اور علماء بھی تھے۔ لیکن ان کا درجہ ان سے کم تھا۔[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے نزدیک ارباب صحبت میں خصوصیت کے ساتھ جن اوصاف کا ہونا ضروری تھا۔ ان کی تصریح انھوں نے خود ہی کر دی تھی۔ یعنی یہ کہ،

(۱) اگر میں انصاف کی راہ نہ پاؤں تو وہ میری رہنمائی کرے۔

(۲) نیکی کے کاموں میں میرا مددگار رہو۔

(۳) جو لوگ مجھ تک اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتے، وہ مجھ تک ان کی حاجت پہنچائے۔

(۴) میرے پاس کسی کی غیبت نہ کرے۔

(۵) میری اور لوگوں کی جو امانت رکھے۔ اس کو ادا کرے۔[2]

عام معمول تھا کہ ابتدائے شب میں خلافت کا کام انجام دیتے۔ آدھی رات ہوتی تو احباب کے ساتھ شریک صحبت ہوتے اور اخیر شب میں عبادت کرتے۔ ایک بار میمون بن مہران نے کہا کہ آپ اس مصروفیت کے ساتھ کیونکر زندہ رہ سکتے ہیں؟ بولے باہمی صحبت سے عقل تازہ اور ہوتی ہے۔[3]

ان احباب کی صحبت میں امور خلافت کے متعلق مشورہ لیا جاتا۔[4] اور زہد و رقائق کی باتیں ہوتیں، میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں ایک رات ان کی صحبت میں تھا تو انھوں نے ایک پُر اثر وعظ کہا۔[5]

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۹۲۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ص ۴۴۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ص ۲۴۰۔ [4] طبقات ابن سعد ص ۲۸۲۔ [5] طبقات ابن سعد ص ۲۷۴۔

Marfat.com

اعمال و عبادات

عبادتِ شبانہ | حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی زاہدانہ زندگی کا سب سے زیادہ پُر اثر منظر راتوں کو نظر آسکتا تھا۔ جو ان کی عبادت گزاری کا اصلی وقت تھا۔ اس مقصد کے لیے گھر کے اندر ایک حجرہ مخصوص کر لیا تھا۔ جس میں کمبل کے سلے ہوئے کپڑے رکھے رہتے تھے۔ جب رات کا پچھلا پہر ہوتا تو دن کے کپڑے اتار ڈالتے اور ان کپڑوں کو پہن کر مناجات اور گریہ و بکا میں مصروف ہو جاتے اور صبح تک مصروف رہتے۔ جب صبح ہوتی تو ان کپڑوں کو تہ کر کے صندوق میں رکھ دیتے۔

مرنے سے پہلے اس صندوق کو ایک غلام کے پاس امانۃً رکھ دیا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو دریا میں بہا دینے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ اہلِ خاندان کو اس صندوق کا حال معلوم ہوا تو غلام سے طلب کیا۔ اس نے کہا اس میں مال و دولت نہیں ہے، لیکن ان کی حرص و طمع نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور صندوق کو اٹھا کر یزید بن عبد الملک کی خدمت میں لے گئے۔ اس نے تمام خاندان کے سامنے کھولا تو کمبل کے چند کپڑے نکلے جن کو وہ رات کو پہنا کرتے تھے۔

عام معمول یہ تھا کہ شام ہونے کے بعد آدھی رات تک امورِ خلافت انجام دیتے۔ آدھی رات کے بعد علماء سے صحبت رکھتے اور رات کا پچھلا پہر عبادت گزاری میں گزارتے۔[1] نماز فجر پڑھنے کے بعد پھر اسی حجرے میں چلے جاتے اور اس وقت اس میں کوئی دوسرا نہیں جا سکتا تھا۔[2]

نماز | نماز پنجگانہ نہایت مستعدی کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ گھر میں مغرب کی طرف ایک

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۱۷۸، ۱۷۹، ۲۴۰۔ [2] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۱۶۔

جھروکہ بنا رکھا تھا۔ اگر موذن اذان دینے میں دیر کرتا تھا تو آدمی بھیج کر کہلواتے کہ وقت آگیا۔[۱]

موذن اذان دیتا تو کوشش کرتے کہ اذان کی آواز کے ساتھ ہی مسجد میں داخل ہو جائیں اس غرض سے ۱۳ موذن ملازم رکھے تھے کہ گھر سے نکلنے تک اذانوں کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمام موذنین کو اذان کہنے کی ضرورت واقع ہوئی ہو۔ اکثر پہلی ہی اذان میں گھر سے برآمد ہو جاتے ورنہ دوسری یا تیسری اذان میں تو ضرور ہی مسجد میں داخل ہو جاتے۔ اذان دینے کے بعد موذن آتا اور کہتا کہ "السلام علیک امیرالمومنین ورحمۃ اللہ" یہ فقرے ادا بھی نہ کر چکتا تھا کہ وہ نماز کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے۔[۲]

جمعے کے دن کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور عید اور جمعہ میں پیدل جانے کا حکم دیا تھا۔[۳]
ادائے نماز میں بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن وآداب کا اتباع کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ کا قول ہے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔[۴]

زکوٰۃ ہمیشہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا فرماتے تھے۔ مجاہد کا بیان ہے کہ ایک بار انھوں نے مجھے ۳۰ درہم دیئے اور کہا کہ یہ میرے مال کا صدقہ ہے۔[۵] ہمیشہ دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھتے۔[۶]

تلاوت روزانہ علی الصباح قرآن مجید کی تھوڑی سی تلاوت کرتے اور رات کے وقت جب سوتے تو نہایت دردناک لہجے میں قرآن مجید کی یہ آیتیں پڑھتے:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔
اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۔	کیا گاؤں والے اس سے بے ڈر ہو گئے کہ ہمارا عذاب آجائے اور لوگ سوئے ہوئے ہوں

[۱] سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۷۹۔ [۲] طبقات ابن سعد ص ۲۶۴، ۲۶۵۔ [۳] ایضاً ص ۲۶۷۔ [۴] سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۶۔ [۵] ایضاً ص ۲۴۱۔ [۶] طبقات ابن سعد ص ۲۴۵۔

Marfat.com

بعض اوقات ایک ہی سورہ کو بار بار رات بھر پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک رات سور
انفال شروع کی تو صبح تک پڑھتے رہے اگر کوئی خوف کی آیت آتی تو تضرع و ابتہال کرتے۔ اگ
رحمت کی آیت آتی تو دعا کرتے[۱]

قرآن مجید کو سن کر ان پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ ایک بار کسی شخص نے ان ک
سامنے قرآن مجید کی ایک سورہ پڑھی تو حاضرین میں سے ایک صاحب بول اٹھے کہ اس نے پڑھ
میں غلطی کی ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ قرآن مجید سننے کے بعد ان کو غلطی نکالنے کا ہوش تھ
جب ان آیتوں کو پڑھتے جن میں احوالِ قیامت کا ذکر ہوتا تو بے ساختہ رو پڑتے
بے ہوش ہو جاتے اور صبح تک ان پر از خود رفتگی کی کیفیت طاری رہتی۔"[۳]

مناجات و دعا ہمیشہ مناجات و دعا میں مصروف رہتے۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی نے ا
دعاؤں کو اپنی کتاب کے ۳۱ ویں باب میں نقل کر دیا ہے۔

گریہ و بکاء طبیعت نہایت اثر پذیر پائی تھی۔ اس سے اکثر ان پر گریہ طاری ہو جایا کرتا ت
اور ایک بار خطبہ دینا چاہتے تھے کہ حمد و نعت کے بعد گلو گرفتہ ہو گئے[۴] اگر کوئی شخص ا
کو موثر نصیحت کرتا یا قرآن مجید کی کوئی پُر اثر آیت سنتے تو دفعتہً رو پڑتے۔ چنانچہ خوف قیا
اور نصیحت پذیری کے عنوان میں اس قسم کے واقعات گزر چکے ہیں۔ ان کی بی بی کا بیان
کہ جب گھر آتے تھے تو اپنی مسجد میں جا کر متصل روتے رہتے۔ یہاں تک کہ آنکھ لگ جاتی جب
جاگتے تو پھر اسی مشغلہ میں مصروف ہو جاتے۔ یہاں تک کہ اسی میں رات بسر ہو جاتی۔[۵]

خشیت الٰہی دنیا میں اور بھی بہت سے فقراء و صوفیہ گزرے ہیں۔ جن کا دل خشیت الٰہ
سے ہمیشہ لرزتا رہتا تھا لیکن اس باب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو جس چیز نے ان لوگوں سے
ممتاز کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ جو چیز انسان کے دل کو سخت کر دیتی ہے۔ اسی نے ان کے دل کو

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۷۹۔ [۲] ایضاً ص ۱۹۲۔ [۳] ایضاً ص ۱۹۰۔ [۴] طبقات ابن سعد ص
[۵] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۵۔

Marfat.com

گداز کر دیا تھا۔ جاہ و دولت انسان کو خدا سے بالکل غافل کر دیتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دل کو انہی نے خوفِ خدا کا آشیانہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ ایک بار انھوں نے خود اپنے ایک فوجی افسر کو لکھا کہ

"خدا کی عظمت اور خشیت کا سب سے زیادہ مستحق بندہ وہ ہے جو اس مصیبت میں مبتلا ہو جس میں کہ میں ہوں۔ خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا اور مجھ سے زیادہ ذلیل (اگر وہ خدا کی نافرمانی کرے) کوئی نہیں ہے۔ میں اس حالت میں سخت دل گرفتہ ہوں اور مجھے خوف ہے کہ یہ میری ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جہاد کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہو۔ تو اے برادرمن! میری خواہش یہ ہے کہ جب تم صفِ جنگ میں کھڑے ہو تو خدا سے دعا کرو کہ وہ مجھے شہادت عطا فرمائے۔ کیونکہ میری حالت نہایت سخت اور میرا خطرہ نہایت عظیم الشان ہے[1]"

عام معمول یہ تھا کہ نمازِ عشاء کے بعد اپنی مسجد میں بیٹھ کر دعائیں کرتے اور روتے جاتے یہاں تک کہ آنکھ لگ جاتی۔ پھر آنکھ کھلتی تو یہی مشغلہ جاری ہو جاتا۔ یہاں تک کہ دوبارہ سو جاتے۔ غرض تمام رات اسی طرح گزر جاتی[2] ایک دن ان کی بی بی فاطمہ نے اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید کی قسمت کا مالک ہوں۔ پھر میں نے بے کس، غریب، محتاج، فقیر اور گم شدہ قیدی اور انہی کی طرح اور لوگوں کو یاد کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ خدا ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق مجھ پر دعویٰ کریں گے۔ اس لیے اس تصور سے مجھے جان کا خوف پیدا ہو گیا۔ میرے آنسو جاری ہو گئے اور میرا دل خوفزدہ ہو گیا اور میں جس قدر اس کو یاد کرتا ہوں میرا خوف بڑھتا جاتا ہے[3]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۹۲۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۸۸۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۸۹۔

Marfat.com

ان کی بی بی فاطمہ بنت عبدالملک کا بیان ہے کہ وہ اور لوگوں سے زیادہ نہ نماز پڑھتے تھے، نہ روزہ رکھتے تھے، البتہ ان سے زیادہ کوئی شخص خدا سے نہیں ڈرتا تھا۔ وہ اپنے بستر پر بھی خدا کو یاد کرتے تھے۔ تو خوف کی شدت سے کنجشک سے زیادہ کانپتے تھے[1]

خوف موت امراء وسلاطین کے یہاں راتوں کو بزمِ عیش وطرب منعقد ہوتی ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے یہاں رات کو فقہا جمع ہو کر موت اور قیامت کا ذکر کرتے تھے اور اس طرح روتے تھے گویا ان کے سامنے جنازہ رکھا ہوا ہے[2] وہ موت کے خوف سے رات رات بھر جاگا کرتے تھے اور اس پر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار انھوں نے اپنے ایک ہمنشین سے کہا کہ میں غور و فکر میں رات بھر جاگتا رہا۔ اس نے کہا کس چیز کے متعلق غور و فکر کرتے تھے بولے قبر اور اہلِ قبر کے متعلق۔ تم اگر مردے کو تین دن کے بعد قبر میں دیکھو تو باوجود اس کی موانست کے تم اس کے پاس جانے سے وحشت زدہ ہوگے اور ایک ایسا گھر دیکھو گے، جس میں کیڑے رینگ رہے ہوں گے۔ پیپ بہہ رہی ہوگی اور کیڑے اس میں تیر رہے ہوں گے۔ یہ کہنے کے بعد ہچکیاں بندھ گئیں اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی یہ حالت عود کرتی رہی[3]

سیاسی کام عموماً مصلحت اور ضرورت کے اقتضاء سے انجام دیئے جاتے ہیں لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے نظام سلطنت کی بنیاد صرف خوفِ موت پر قائم تھی۔ وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے ڈر، قیامت کے مواخذہ اور موت کے خوف سے کرتے تھے۔ رباح بن زید کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک بار عروہ کو لکھا کہ تم مجھ سے باربار خط و کتابت کرتے ہو۔ اب میں جو احکام لکھ بھیجوں اس کو فوراً نافذ کر دو کیونکہ موت کا وقت ہم لوگوں کو معلوم نہیں[4]

خوفِ قیامت روزِ قیامت سے نہایت خائف رہتے تھے۔ یزید بن حوشب کا قول ہے کہ

---

[1] سیرت ابن عبدالحکم ص ۴۷ ـ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۹ ـ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۴۷

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۹۴۔

Marfat.com

"میں نے حسن بصریؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ سے زیادہ کسی شخص کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ گویا دوزخ صرف انہی دونوں کے لیے پیدا کی گئی تھی"[۱]۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی کے تمام واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔

ایک دن اپنی بی بی فاطمہ کے پاس آئے اور کہا کہ وابق میں ہمارا زمانہ اس زمانے سے زیادہ خوش گوار تھا۔ یہ کہہ کر ان کو اس زمانے کے عیش و آرام کی یاد دلائی۔ فاطمہ نے کہا خدا کی قسم! آج آپ اس زمانے سے زیادہ اہل مقدرت اور صاحب اختیار ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ سنا تو غمناک لہجے میں یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے کہ اے فاطمہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ فاطمہ اس پُر درد فقرے کو سن کر رو پڑیں اور کہا کہ خداوندا ان کو دوزخ سے نجات دے[۲]۔

ایک بار سفر میں تھے چونکہ اسباب سے آگے نکل چکے تھے۔ اس لیے راہ میں گھوڑے سے اتر گئے اور دیکھا کہ جو لوگ اسباب پہلے بھیج چکے ہیں ان کے پاس سامان آرہا ہے۔ یہ دیکھ کر رو پڑے۔ سلیمان بن عبدالملک نے رونے کی وجہ پوچھی تو بولے اسی طرح قیامت کے دن جو شخص زاد راہ پہلے بھیج چکا ہوگا وہ اس کو مل جائے گا اور جس نے نہ بھیجا ہوگا اس کو کچھ نہ ملے گا[۳]۔

انھوں نے بنو امیہ کی جائدادیں ضبط کرلیں تو ان کی پھوپھی نے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سب بغاوت کردیں۔ لیکن انھوں نے کہا کہ اگر قیامت کے سوا میں کسی اور دن سے ڈروں تو خدا مجھے اس دن سے نہ بچائے۔ اس کے بعد آگ پر ایک اشرفی گرم کی، جب وہ سرخ ہوگئی تو اس کو گوشت کے ایک ٹکڑے پر رکھا۔ وہ بھن گیا تو بولے پھوپھی جان اپنے بھتیجے کے لیے اس سے ڈرو[۴]۔

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۹۱۔ [۲] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۹۳۔ [۳] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۹۲ و سیرت ابن عبدالحکم ص ۴۳ میں یہی واقعہ کسی تغیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ [۴] طبقات ابن سعد ص ۲۷۹۔

Marfat.com

قرآن مجید کی جن آیتوں میں قیامت اور احوالِ قیامت کا ذکر ہوتا۔ ان کا اثر ان پر شدت کے ساتھ پڑتا تھا۔ ایک بار ان کی بی بی فاطمہ شدّت کے ساتھ رونے لگیں۔ بھائیوں نے وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں نے ایک عجیب منظر دیکھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب یہ آیت پڑھی :

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ	جس دن لوگ مثل پھیلے ہوئے
الْمَبْثُوْثِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ	پروانوں کے اور پہاڑ مثل دھنکے
كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ، (قارعہ) ؏	ہوئے اون کے ہوں گے۔

تو چیخے کہ واسوا صباحاہ پھر اچھلے اور اچھل کر اس طرح گرے کہ میں نے خیال کیا کہ دم توڑ رہے ہیں۔ پھر ٹھہر گئے، میں نے خیال کیا کہ دم نکل گیا۔ پھر ہوش میں آتے اور چلاتے یا سوء صباحاہ پھر اُچھلے اور تمام گھر میں پھر پھر کر یہ کہنے لگے۔ افسوس اس دن پر جس میں لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ مثل دھنکے ہوئے اون ہوں گے۔ پھر گرے اور اس طرح گرے کہ مردہ معلوم ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ موذنِ صبح نے بیدار کیا[1]۔ ایک روز نماز میں یہ آیت پڑھی

وقفوھم انھم مسئولون	ان سے بتا دو کہ ان سے سوال ہوگا

اس کا یہ اثر پڑا کہ بار بار اسی آیت کو پڑھتے رہے اور اس سے آگے نہ پڑھ سکے[2]۔ ایک بار سرِ منبر پر یہ آیت پڑھی تو خوف سے ایک طرف کو جھک گئے گویا زمین پر گر رہے ہیں[3]۔

ونضع الموازین القسط	قیامت کے دن ہم انصاف
یوم القیامۃ	کی ترازو کھڑی کریں گے۔

خوفِ عذاب الٰہی | قیامت کے علاوہ ان کو دنیا ہی میں ہمیشہ عذاب الٰہی کا خوف لگا رہتا تھا۔ ایک بار زور سے ہوا چلی تو ان کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ ایک شخص نے پوچھا

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۹۰۔ [2] ایضاً ص ۱۹۱۔ [3] ایضاً ص ۲۰۰۔

Marfat.com

امیرالمومنین آپ کا یہ حال ہوگیا؟ بولے دنیا میں جو قوم تباہ ہوئی ہے، اس کو ہوا ہی نے تباہ کیا ہے[1]

محبت رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کا ادب و احترام ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اجزائے ایمانیہ کا یہ جزء سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متبرک یادگاروں میں انھوں نے پلنگ، گدا، پیالہ، چادر، چکی، ترکش اور عصا کو ایک کوٹھری میں محفوظ رکھا تھا اور روز اس کی زیارت کرتے تھے۔ اگر کبھی قریش کا مجمع ہوجاتا تو ان کو لے جا کر ان مقدس یادگاروں کی زیارت کرا تے اور کہتے یہ اس مقدس ذات کی میراث ہے۔ جس کے ذریعہ سے خدا نے تم لوگوں کو عزت دی ہے[2]

اس سرمایۂ حیات کے علاوہ اگر اور کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی یادگار مل جاتی تھی تو سر اور آنکھوں پر رکھتے تھے اور اس سے برکت اندوز ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جاگیریں دی تھیں اور اس کے متعلق ایک سند لکھ دی تھی۔ ان کے خاندان کے ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو وہ سند دکھائی تو اس کو چوم کر آنکھوں پر رکھ لیا[3]

انتقال ہونے لگا تو سب سے زیادہ اسی زادِ آخرت کی فکر ہوئی، چنانچہ وصیت کی کہ کفن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موئے مبارک و ناخنِ پاک رکھے جائیں[4]

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی گستاخانہ کلمہ کہتا تو اس پر سخت برہم ہوتے۔ ایک بار ان کی پیشی میں ایک محرر پیش کیا گیا۔ خود تو مسلمان تھا لیکن اس کا باپ کافر تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا مہاجرین کی اولاد میں سے کسی کو نہیں لاتے؟ محرر نے بے ساختہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کا کفر آپ کے لیے کچھ مضر نہیں ثابت ہوا۔ بولے تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے برابر کر دیا۔ ہمارے یہاں تیرا کام نہیں[5]

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۹۱۔ [2] ایضاً ص ۲۱۶، ۲۱۷۔ [3] اسد الغابہ تذکرہ مرارہ بن سلمیٰ۔
[4] طبقات ابن سعد ص ۳۰۰۔ [5] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۹۲۔

Marfat.com

محبتِ اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب و تعلق نے اگرچہ اہلِ بیت کو تمام مسلمانوں کے نزدیک عزیز تر بنا دیا تھا۔ لیکن بنو امیہ کا خاندان ابتدا ہی سے سیاسی مصالح کی بنا، پر ان کا دشمن بن گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بھی اسی خاندان کے ایک رکن تھے اور ان کے زمانے تک اس بغض و عداوت کا خمیر اس قدر پختہ ہو گیا تھا کہ خاندانِ بنو امیہ کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا تھا[1] لیکن وہ خود اہلِ بیت کی محبت میں اس قدر مخمور و سرشار تھے کہ ایک بار گورنری مدینہ کے زمانہ میں ان کے یہاں فاطمہ بنت علی آئیں تو انھوں نے پہلے تمام پہرہ داروں اور غلاموں کو گھر سے نکلوا دیا۔ پھر تنہائی میں لے جا کر ان سے کہا کہ اے دخترِ علیؓ صفحۂ زمین پر مجھے کوئی خاندان تم سے زیادہ عزیز نہیں ہے تم خود میرے خاندان سے زیادہ مجھے عزیز ہو[2] ان سے پہلے خلفائے بنو امیہ نے حضرت علیؓ کی نسبت اہانت آمیز فقرے جمعہ کے خطبہ میں شامل کر دیتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان فقروں کو خطبہ سے خارج کر دیا۔ چنانچہ کثیر عزۃ الخزاعی نے ایک قصیدے میں اس کی طرف مداحانہ طریقے سے اشارہ کیا ہے[3]

ولیت فلم تشتم علیا ولم تخف   بریا ولم تتبع مقالۃ مجرم

"تم خلیفہ ہو تو تم نے نہ علی کو گالی دی۔ بُرے آدمیوں کو ڈرایا، نہ مجرمین کی بات پر گرفت کی"

اس قسم کے فقروں کے بجائے وہ ہمیشہ علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کے ذکر سے رطب اللسان رہتے تھے۔ ایک بار ان کے یہاں فرقہ زہاد کا تذکرہ ہوا تو لوگوں نے مختلف لوگوں کے نام لئے لیکن انھوں نے کہا کہ دنیا میں سب سے زیادہ زاہد حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تھے[4]

صرف اہلِ بیت ہی کی خصوصیت نہیں۔ جو لوگ خاندانِ نبوت سے ادنیٰ تعلق بھی رکھتے تھے ان کے ساتھ اسی قسم کے فیاضانہ سلوک کرتے تھے۔ حضرت اسامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ زادہ تھے۔ ایک بار ان کی بیٹی ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۱۶۔ [2] طبقات ص ۲۴۵۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۹۱، تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴۔ [4] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۳۸۔

Marfat.com

خود اٹھ کر گئے اور ہاتھ پکڑ کر ان کو لائے اور اپنی جگہ بٹھایا اور ان کی تمام ضرورتیں پوری کیں۔[1]

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا آزاد شدہ غلام زربق ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یا امیرالمومنین! میں مدینے کا رہنے والا ہوں۔ قرآن مجید اور فرائض مجھے یاد ہے۔ لیکن بیت المال کے رجسٹر میں میرا نام درج نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ تم کس طبقہ کے آدمی ہو؟ بولا میں موالی بنی ہاشم میں ہوں۔ اس نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کا نام لیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں خود علیؓ کا غلام ہوں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں جس کا مولیٰ ہوں، علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ پھر اپنے مولیٰ مزاحم سے پوچھا کہ اس قسم کے لوگوں کو کیا وظیفہ دیتے ہو؟ اس نے کہا سو یا دو سو درہم، بولے ولایتِ علیؓ کی بناء پر اس کو پچاس دینار دو۔[2]

ایک بار خاندان بنو امیہ کے بہت سے لوگ دروازے پر منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے غلام کو سب سے پہلے باریابی کا موقع دیا۔ ہشام نے دیکھا تو جل کر کہا کہ کیا عمر بن عبدالعزیزؒ کو سب کچھ کر کے اب بھی تسکین نہیں ہوئی کہ ابن عباسؓ کے ایک غلام کو موقع دیتے ہیں کہ ہماری گردن پھاند کے چلا جائے۔[3]

محبتِ مدینہ | حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ کے ادب واحترام کی شدت کے ساتھ لحاظ رکھتے تھے۔ مثلاً مدینہ کا جو حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کر دیا تھا۔ اس کے اندر کے درخت یا گھاس کو کاٹا نہیں جا سکتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس کا اس قدر خیال تھا کہ فرماتے تھے کہ یہ مجھے گوارا ہے کہ ایک شخص کو میرے سامنے اس حالت میں لایا جائے کہ وہ شراب لے جاتا ہو، لیکن یہ گوارا نہیں کہ ایک شخص کو اس حالت میں لایا جائے کہ وہ حرم مدینہ سے کوئی چیز کاٹ کر لے جاتا ہو۔[4]

---

[1] سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۷۳۔ [2] سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۶۔
[3] سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۷۶۔ [4] معجم البلدان ذکر مدینہ۔

Marfat.com

مدینہ سے ان کو اس قدر شیفتگی تھی کہ جب وہاں سے شام کو چلے تو اس کو باچشم تر
کے دیکھا اور اپنے غلام مزاحم سے کہا کہ ہم اُن لوگوں میں سے تو نہیں ہیں۔ جن کو مدینہ نے پھینک دیا
ہے[1] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے
کہ مدینہ ایک بھٹی ہے جو میل کچیل کو پھینک[1] دیتی اور خالص چیز کو پاکیزہ بنا دیتی ہے۔

لہ موطا امام مالک باب فی ماجاء فی سکنی المدینہ۔

Marfat.com

کارنامہائے زندگی

[تجد]ید واصلاح | مذہب، سیاست، اخلاق، تمدن غرض نظام عالم کے کل اجزاء جب [زنگ] آلود ہو جاتے ہیں تو خدا ایک مصلح، ایک رفارمر اور ایک مجدد کو پیدا کرتا ہے۔ جو ان تمام [اجز]اء کو جلا دے کر نئے آب و رنگ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

سلیمان بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت تک تاریخِ اسلام پر پوری ایک صدی گزر [چک]ی تھی اور اس طویل زمانے میں اسلام کا نظام مذہب، نظام سیاست، نظام اخلاق اور نظام [تم]دن بالکل زنگ آلود ہو گیا تھا۔ اس لیے ان تمام چیزوں کی تجدید و اصلاح کے لیے ایک [مج]دد کی ضرورت تھی اور حافظ جلال الدین سیوطی کو فخر ہے کہ مصر کی خاک سے سب سے پہلے [ح]ضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس ضرورت کو پورا کیا اور متصل کئی صدیوں تک پورا کرتی رہی [چ]نانچہ لکھتے ہیں:۔

من اللطائف ان شرط المبعوثین علی رؤس القرون مصریون عمر بن عبدالعزیز فی الاولی والشافعی فی الثانیه وابن دقیق العید فی السابعة والبلقینی فی الثامنة[1]	یہ ایک لطیفہ ہے کہ ہر صدی کی ابتدا میں جو مصلح پیدا ہوتے وہ سب کے سب مصری تھے۔ یعنی پہلی صدی میں عمر بن عبدالعزیزؓ، دوسری میں شافعی، ساتویں ابن دقیق العید اور آٹھویں میں بلقینی

[1] حسن المحاضرہ جلد اوّل ص ۱۳۵۔

Marfat.com

لیکن تقدم زمانی کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ان بزرگوں پر اور بھی مختلف حیثیت سے ترجیح حاصل ہے۔ ان بزرگوں کے کارنامے صرف مذہب تک محدود ہیں لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اسلام کے کل نظامِ مذہب، اخلاق، سیاست اور تمدن پر پورا اقتدار حاصل تھا۔ اس لیے انھوں نے ہر چیز کی اصلاح کی۔ چنانچہ ان تمام اصلاح کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

خلافت (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اگرچہ خلیفہ کے انتخاب کے متعلق اسلام کے جمہوری نظام کو دوبارہ قائم نہ کر سکے اور ان کو سلیمان بن عبدالملک کی وصیت کے موافق اس امانت یزید بن عبدالملک کے سپرد کرنا پڑا۔ تاہم وہ دل سے اس شخصی نظام کو پسند نہیں کرتے تھے۔

اسلام میں سب سے پہلے شخصی انتخاب کے ذریعہ سے یزید خلیفہ ہوا تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار کسی نے یزید کو امیرالمومنین کہا تو ان کو ۲۰ کوڑے مارے[1]۔)

تمام اولاد میں ان کو سب سے زیادہ محبت عبدالملک سے تھی۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد جب ان کی زبان سے ان کے متعلق تحسین آمیز فقرے نکلے تو مسلمہ نے کہا کہ "اے امیرالمومنین! اگر وہ زندہ رہتے تو آپ ان کو ولی عہد مقرر کرتے؟" بولے نہیں۔ انھوں نے کہا کیوں؟ ان کی تعریف تو آپ بہت کرتے ہیں۔ بولے مجھے خوف ہے کہ محبتِ پدری سے کہیں مجھے محبوب نہ نظر آتے ہوں[2]

خلیفہ کے شخصی انتخاب کے علاوہ شخصیت کا اثر اور بھی مختلف صورتوں میں نظر آتا تھا۔ مثلاً تمام خاندان شاہی کو غیر معمولی اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ خلفاء کی طرف سے ان کو وظائف وعطایا ملتے تھے۔ وہ ہر جگہ علانیہ تمام قوم سے ممتاز نظر آتے تھے۔ خلیفہ کو رعایا پر غیر معمولی تفوق حاصل تھا۔ یہاں تک کہ نماز کے بعد ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح درود

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۰۹۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۰۔

بھیجا جاتا تھا۔ لوگ مخصوص طور پر ان کو سلام کرتے تھے۔ وہ چلتے تھے تو ساتھ ساتھ نقیب و علمبردار ہوتے تھے۔ وہ جنازے میں شریک ہوتے تھے تو ان کے لیے خاص چادر بچھائی جاتی تھی۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی ان تمام نشیب و فراز کو مٹا کر سطح کو بالکل ہموار کر دیا۔ چنانچہ وظائف کی تقسیم میں ایسا مساویانہ طریقہ اختیار کیا کہ جو لوگ تفریق و امتیاز کے خوگر تھے وہ ان سے بالکل الگ ہو گئے[1] ایک بار تمام مروانی خاندان ان کے پاس آیا اور اپنے قدیم شخصی اقتدار کی بنا پر ان سے ملامت آمیز الفاظ میں کہا کہ آپ سے پہلے خلفاء ہمارے ساتھ جو مراعات کرتے تھے آپ نے ان کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ بولے اگر پھر تم نے اس قسم کا مجمع کیا تو مدینہ چلا جاؤں گا اور خلافت کو جمہوری کر دوں گا۔ اعمیش یعنی قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ خلافت کے اہل ہیں اور مجھے ان کا نام یاد ہے[2]

خاندانِ شاہی کو عام مسلمانوں پر جو تفوق و امتیاز حاصل ہو گیا تھا۔ اس کی نسبت ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ دربارِ عام میں کسی کو کسی پر اس لیے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندانِ خلافت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ لوگ میرے نزدیک تمام مسلمانوں کے برابر ہیں[3] ایک بار ان کے دربار میں مسلمہ بن عبد الملک بحیثیت فریق مقدمہ کے حاضر ہوا اور درباری فرش پر بیٹھ گیا۔ بولے اس حالت میں میرے سامنے فرش پر نہ بیٹھو۔ اگر یہ گوارا نہیں ہے تو کسی کو وکیل کر دو ورنہ سب کے برابر بیٹھو[4]

خلفاء پر نماز کے بعد جو درود و سلام بھیجا جاتا تھا۔ اس کے انسداد کے لیے عامل جزیرہ کے نام ایک فرمان روانہ کیا کہ جن وعظ پیشہ لوگوں نے یہ بدعت ایجاد کی ہے ان کو ہدایت کر دو کہ درود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص اور دعا کو تمام مسلمانوں کے لیے عام کر دیں اور بقیہ تمام چیزوں کو چھوڑ دیں[5] خود اپنے متعلق لکھا کہ مخصوص طور پر

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۴۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؓ ص ۲۵۳۔ [3] ایضاً ص ۲۵۲۔
[4] سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ص ۱۲۷۔ [5] سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ص ۳۶۔

Marfat.com

میرے لیے دُعا نہ کرو، عموماً تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کرو۔ اگر میں ان میں ہوں گا تو میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں گا[1] ایک بار کسی نے ان کو خصوصیت کے ساتھ سلام کیا تو بولے سلام عام طور پر کیا کرو[2]

خلفاء کے ساتھ نقیب اور علمبردار کے چلنے کا طریقہ زیاد نے ایجاد کیا تھا اور حضرت امیر معاویہؓ نے ذاتی حفاظت کے لیے سب سے پہلے پہرہ دار مقرر کئے تھے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اس رسم کو بالکل مٹا دیا۔ چنانچہ جب وہ سلیمان ابن عبدالملک کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر بہ حیثیت خلیفہ کے روانہ ہوئے تو کوتوال نیزہ لیے ہوئے ساتھ ساتھ چلا لیکن انھوں نے اس کو سامنے سے ہٹا دیا اور کہا کہ مجھے اس سے کیا غرض۔ میں تو صرف مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔ چنانچہ سب کے ساتھ ساتھ مسجد میں گئے اور اپنی خلافت کا اعلان کیا[3]

قصرِ شاہی میں خلفاء کے لیے جو فرش مخصوص طور پر بچھایا جاتا تھا۔ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی[4] خلفاء کے لیے نمازِ جنازہ کی شرکت کے وقت ایک چادر عام مسلمانوں سے الگ خاص طور پر بچھائی جاتی تھی، جب وہ ایک جنازہ میں ان کے لیے بچھائی گئی تو اس کو پاؤں سے ہٹا کر زمین پر بیٹھ گئے[5] غرض حضرت معاویہؓ کے زمانہ سے لے کر سلیمان بن عبدالملک کے زمانے تک شخصیت کے مرقع میں جو نقش آرائیاں کی گئی تھیں۔ انھوں نے ان سب کو مٹا دیا اور تمام دنیا کو دربارِ خلافت میں حضرت عمرؓ کی تصویر نظر آ گئی۔

مذہب مذہب عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں یہ دونوں اجزاء زنگ آلود ہو گئے تھے۔ عقائد میں قضا و قدر کا مسئلہ اس قدر دقیق ہے کہ عام لوگوں کو اس کے متعلق غور و فکر کرنے کی اجازت دی جاتے تو عقائد

---

[1] طبقات ۲۷۸۔ [2] ایضاً ۲۸۳۔ [3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۵۳۔ [4] ایضاً ص ۵۴۔ [5] ایضاً ص ۷

کی پُرعظمت سادگی دفعتہً خاک میں مل جائے۔ اس بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں جب یہ خطرناک مسئلہ پیدا ہوا اور غیلان دمشقی نے اس کا غلغلہ بلند کیا تو انھوں نے اس سے توبہ کرائی اور بظاہر اس نے توبہ بھی کر لی[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اگرچہ مسلمانوں کی خونریزی سے اس قدر اجتناب کرتے تھے کہ خوارج کی گردنیں بھی ان کی تلوار سے محفوظ ہو گئی تھیں۔ لیکن اس مسئلہ کے استیصال پر ان کو اس قدر کد و اصرار تھا کہ اس عقیدے والوں کا قتل تک جائز رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ابوسہیل سے پوچھا کہ قدریہ کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو بہتر ہے ورنہ ان کی گردن اڑا دینی چاہیئے۔ بولے یہی رائے ہے، یہی رائے ہے[2]

مذہبی اعمال میں نماز و زکواۃ دو چیزیں ہیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہر جگہ ایک ساتھ کیا گیا ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور سے پہلے ان دونوں کا نظام ابتر ہو گیا تھا۔ نماز میں اصلی چیز پابندیٔ وقت ہے اور جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خیال تھا قرآن مجید کی اس آیت میں:

فخلف من بعدھم خلف	(پھر ان کے بعد ایک نسل ایسی پیدا
اضاعوا الصّلوات و	ہوئی جس نے نماز کو برباد کر دیا اور
اتبعوا الشھوات	شہوت کے پیچھے پڑ گئی یہ لوگ
فسوف یلقوْن غیّاً۔	عنقریب گمراہ ہوں گے۔)

اضاعتِ صلوٰۃ سے یہی وقت کی عدم پابندی مراد ہے لیکن امرائے بنوامیّہ بالخصوص حجاج نے اوقاتِ نماز کی پابندی بالکل ترک کر دی تھی۔ اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن ارطاۃ کے نام ایک فرمان لکھا جس میں خاص طور پر اس طرف توجہ دلائی۔

فلا تستن بسنۃ فانہ کان	حجاج کی تقلید نہ کرو کیونکہ وہ

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۶۔ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۸۳۔

Marfat.com

یصلی الصّلوٰۃ لغیر وقتہا۔[1] نماز بے وقت پڑھتا تھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہ شرف سلیما ابن عبدالملک کو حاصل ہوا۔ لیکن درحقیقت وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کے نیک مشورے کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ علّامہ موصوف خود کہتے ہیں :۔

ومن محاسنہ ان عمر بن عبدالعزیز کان لہ کالوزیر فکان یمتثل اوامرہ فی الخیر فعزل اعمال الحجاج واخراج من کان فی سجن العراق و احیی الصلوٰۃ الیٰ اول مواقیتہا وکان بنوامیۃ اماتوھا بالتاخیر[2]

اور سلیمان بن عبدالملک کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مثل اس کے وزیر کے تھے اور وہ نیکی کے کاموں میں ان کے حکم پر عمل کرتا تھا۔ اس لیے اس نے حجاج کے عمّال کو معزول کیا۔ عراق کے قیدخانہ کے قیدیوں کو رہائی دی اور اوّل وقت میں نماز کو قائم کیا، حالانکہ بنوامیہ نے تاخیر وقت کر کے اس کو مردہ کر دیا تھا۔

زکوٰۃ کے جو شرعی مداخل و مخارج تھے۔ حجاج نے ان کی پابندی بالکل ترک کر دی لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن ارطاۃ گورنر بصرہ کو اس طرف توجہ دلائی اور اس معاملہ میں ان کو حجاج کی تقلید سے روکا۔[3]

خلفائے بنوامیہ نے مذہب کے متعلق سب سے بڑی بدعت جو ایجاد کی تھی، وہ یہ کہ حضرت علیؓ پر علانیہ خطبے میں لعن وطعن کرتے تھے اور چونکہ لوگ اس کا سننا گوارا نہ کرتے تھے اور خطبہ سننے سے پہلے ہی اُٹھ جایا کرتے تھے۔ اس لیے امیر معاویہؓ نے نمازِ عید سے پہلے ہی خطبہ پڑھنا شروع کیا جو دوسری بدعت تھی لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام گ

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۸۶ و ۸۸۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۶۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۸۸

کے نام فرمان جاری کیا اور خطبے میں حضرت علیؓ کے متعلق جو نا ملائم الفاظ شامل کر دیئے گئے تھے ان کو نکلوا دیا اور ان کی جگہ قرآن مجید کی یہ آیت داخل کر دی جو آج تک پڑھائی جاتی ہے[1]:۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ	خداوند تعالیٰ عدل، احسان، قرابتداروں
الْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی	کے دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش برائی
وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَ	اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ خدا یہ
الْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ،	نصیحت اس لیے کرتا ہے کہ تم
	لوگ سمجھو۔

بیت المال کی اصلاح | سیاسی حیثیت سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جن صیغوں میں اصلاحات کیں ان میں سب سے مقدم چیز بیت المال ہے۔

۱۔ بیت المال مختلف قسم کی آمدنیوں کے مجموعے کا نام ہے۔ جن میں ہر ایک کے مصارف و مداخل جدا جدا ہیں۔ غالباً حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے سے پہلے یہ تمام آمدنیاں ایک ہی جگہ جمع ہوتی تھیں۔ لیکن انھوں نے خُمس، صدقہ اور فیٔ کے متعلق الگ الگ بیت المال قائم کئے اور ہر ایک قسم کی آمدنی کو الگ الگ جمع کیا[2]۔

۲۔ بیت المال درحقیقت مسلمانوں کا مشترک خزانہ ہے جس سے ہر مسلمان علی السویہ فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور سے پہلے تمام خاندانِ شاہی کو عام مسلمانوں سے الگ الگ مخصوص وظیفہ ملتا تھا جس کو وظیفۂ خاصہ کہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کو کلیتہً بند کر دیا۔

۳۔ مداحانہ قصائد کے صلے میں شعراء کو بیت المال سے جو انعامات ملتے تھے، ان کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بالکل موقوف کر دیا۔ ایک بار جریر نے چند اشعار پڑھے تو بولے میں کتاب اللہ میں تمہارا حق نہیں پاتا۔ اس نے کہا میں مسافر بھی تو ہوں، اس پر

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۸۸۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴۔

پچاس اشرفیاں اپنے پاس سے دیں[1]

۴۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور سے پہلے یہ دستور تھا کہ عمّال عشاء اور فجر کے وقت نماز کو جاتے تھے تو آدمی ساتھ ساتھ شمع لے کر چلتا تھا اور اس کے مصارف کا بار بیت المال پر پڑتا تھا۔ جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں مسجد نبوی میں جو خوشبو لگائی جاتی تھی اس کے مصارف بھی بیت المال سے ادا ہوتے تھے۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے یہ دونوں رقمیں بند کر دیں[2]

۵۔ بیت المال کی آمدنی میں خمس کے پانچ مصرف متعین ہیں جن کے علاوہ ان کو کسی دوسری جگہ صرف نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ان مصارف کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ مصارف خمس میں سب سے مقدم اہل بیت ہیں لیکن ولید اور سلیمان بن عبد الملک نے باوجود حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سمجھانے بجھانے کے ان کو بالکل اس حق سے محروم کر دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ خمس کو ان صحیح مصارف میں صرف کیا اور اہل بیت کو ان کا حق دیا[3]

ان اصلاحات کے ساتھ بیت المال کی حفاظت اور نگرانی کا اس قدر سخت انتظام کیا کہ ایک بار یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم گیا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کے افسر کو لکھا کہ میں تمہاری امانت پر کوئی الزام نہیں لگاتا۔ لیکن تمہاری بے پروائی و غفلت کو جرم قرار دیتا ہوں۔ میں مسلمانوں کے مال کا ان کی طرف سے مدعی ہوں۔ تم پر فرض ہے کہ قسم کھاؤ[4]

دفتر کے لیے بیت المال سے کاغذ کے واسطے جو رقم ملتی تھی اس کی نسبت ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ قلم کو باریک کر لو اور سطریں قریب قریب لکھو اور تمام ضروریات میں کفایت شعاری

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۳۔ [2] سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۸۱ و طبقات ص ۲۹۵۔ [3] طبقات ابن سعد ص ۲۵۸، ۲۸۹۔
[4] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۸۵۔

Marfat.com

کرو کیونکہ میں مسلمانوں کے خزانے میں سے ایسی رقم صرف کرنا پسند نہیں کرتا جس کا فائدہ ان کو نہ پہنچے[1]

محاصل کی اصلاح | خراج، جزیہ اور ٹیکس ملکی محاصل ہیں اور انہی کی باقاعدگی پر ملک اور سلطنت دونوں کے قیام شادابی اور سرسبزی کا دارومدار ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت سے پہلے ان تمام چیزوں کا نظام اس قدر ابتر ہوگیا تھا کہ وہ رعایا کے لیے ایک بالکل جبری چیز بن گئی تھی۔

(۱) اسلام میں جزیہ صرف غیر قوموں کے لیے مخصوص تھا اس لیے اگر کوئی عیسائی، یہودی یا مجوسی مذہب اسلام میں داخل ہوجاتا تھا تو وہ اس سے بالکل بری ہوجاتا تھا لیکن حجاج نے اس فرق و امتیاز کو بالکل مٹا دیا تھا اور وہ نومسلموں سے بھی جزیہ وصول کرتا تھا، تاریخ مقریزی میں ہے۔

واول من اخذ الجزیۃ	ذمیوں میں جو لوگ مسلمان ہوجاتے
من اسلم من اھل الذمۃ	تھے ان سے سب سے پہلے حجاج نے
الحجاج۔[2]	جزیہ وصول کیا۔

(۲) نوروز اور مہرجان پارسیوں کا تہوار تھا اور اس تہوار کے رسم و رواج کے پابند صرف پارسی ہوسکتے تھے لیکن امیر معاویہؓ نے ان تہواروں کو رعایا سے ایک غیرمعمولی رقم بطور ہدیہ کے لینا شروع کی تھی جس کی مقدار ایک کروڑ تھی[3]

(۳) حجاج کا بھائی محمد بن یوسف جب یمن کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے وہاں کے باشندوں پر سخت مظالم کئے اور ان پر ایک جدید ٹیکس لگایا[4]

(۴) فرات میں کچھ خراجی زمین تھی لیکن جب وہاں کے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے اور کچھ آراضی دوسرے

---

[1] سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۸۲۔ [2] مقریزی ج اول ص ۷۷، ۷۸۔ [3] یعقوبی ج ۲ ص ۲۵۸۔ [4] فتوح البلدان ص ۸۰۔

لوگوں کے ہاتھ سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی تو وہ حسب معمول عشری ہوگئی لیک
حجاج نے اپنے زمانے میں ان لوگوں سے بھی خراج وصول کیا۔[1]

(۵) رعایا پر مختلف قسم کے ٹیکس لگائے گئے تھے۔ روپیہ ڈھالنے پر ٹیکس، چاندی پگھ
پر ٹیکس، عرائض نویسی پر ٹیکس، دوکانوں پر ٹیکس، گھروں پر ٹیکس، پن چکیوں پر ٹیکس
نکاحانہ، غرض کوئی چیز ٹیکس سے بری نہ تھی اور یہ تمام ٹیکس ماہوار وصول ک
جاتے تھے اور اس لیے اس کو ماہ ہلالی کہا جاتا تھا۔[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ ان میں بع
قسم کی آمدنیاں شرعاً ناجائز ہیں اور بعض سے رعایا پر غیر معمولی بار پڑ رہا ہے۔ اس لیے انھو
نے ان کو یک لخت موقوف کر دیا۔

۱۔ نومسلموں سے جو جزیہ وصول کیا جاتا تھا، اس کی نسبت حیان بن شریح کو لکھ
ذمیوں میں جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، ان کا جزیہ ساقط کر دیا جائے۔ کیونکہ خداوند تع
فرماتا ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ	جو لوگ توبہ کر لیں، نماز پڑھیں
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا	اور زکوٰۃ دیں، ان کی راہ چھوڑ دو۔
سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ	بے شبہہ خدا مغفرت کرنے والا
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	مہربان ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	اہل کتاب میں ان لوگوں سے لڑو
بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	جو خدا پر اور روز قیامت پر ایمان
وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ	نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے

[1] فتوح البلدان ص ۳۷۵۔ [2] کتاب الخراج ص ۹۴ و مقریزی ج ۱ ص ۲۰۷۔

Marfat.com

وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ	رسول نے جس چیز کو حرام کر دیا
دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ	اس کو حرام نہیں سمجھتے اور حق
اُوْتُوا الْکِتَابَ حَتّٰی	مذہب کی پابندی نہیں کرتے
یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ	یہاں تک کہ وہ ذلت کے ساتھ
یَّدٍ وَّھُمْ صَاغِرُوْنَ۔	جزیہ دیں۔

اس حکم کی بنا پر اس کثرت سے لوگ ایمان لائے کہ جزیہ کی آمدنی دفعتہً گھٹ گئی۔ چنانچہ حیان بن شریح نے ان کو اطلاع دی کہ ذمیوں کے اسلام نے جزیہ کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ میں نے ۲۰ ہزار اشرفیاں قرض لے کر مسلمانوں کے عطیے تقسیم کئے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی کچھ پروا نہیں کی اور لکھا کہ میں نے جب تمہیں مصر کا عامل مقرر کیا تھا، اسی وقت تمہاری کمزوری سے واقف تھا۔ میں نے قاصد کو حکم دیا ہے کہ تمھارے سر پر سو کوڑے لگائے۔ جزیہ کو موقوف کرو، کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ محصل خراج۔[1]

حیرہ کے یہودی عیسائی اور مجوسی جن سے جزیہ کی رقم وصول ہوتی تھی جب اسلام لائے تو عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے ان سے جزیہ وصول کرنا چاہا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے اس کی اجازت طلب کی۔ انھوں نے لکھا کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعیٔ اسلام بنا کر بھیجا تھا نہ کہ محصل خراج۔ ان مذاہب کے لوگوں میں جو لوگ اسلام لائیں، ان کے مال میں صرف صدقہ ہے جزیہ نہیں۔[2]

جراح کی نسبت جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ نومسلموں سے جزیہ وصول کر رہے ہیں تو ان کو معزول کر دیا۔[3]

نومسلموں کے جزیہ کی موقوفی پر ان کو اس قدر اصرار تھا کہ ایک بار لکھا کہ اگر ایک ذمی کا جزیہ ترازو کے پلّوں میں رکھا جا چکا ہو اور اسی حالت میں وہ اسلام قبول کر لے تو اس کا جزیہ

---

[1] مقریزی جلد اوّل ص ۷۷، ۷۸۔ [2] کتاب الخراج ص ۷۵۔ [3] یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۲۔

Marfat.com

معاف کردیا جائے۔ ان کا قول تھا کہ اگر سالِ تمام سے ایک دن پیشتر بھی کوئی ذمی مسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا۔[۱]

۲۔ نوروز اور مہرجان کے ہدیے کے متعلق حکم دیا کہ ان تہواروں میں ان کے پاس کوئی چیز نہ بھیجی جائے۔[۲]

۳۔ حجاج کے بھائی محمد یوسف نے اہلِ یمن پر جو جدید خراج مقرر کیا تھا، اس کو بالکل معاف کر دیا ان پر صرف عشر مقرر کیا۔[۳]

(۴)۔ فرات کے مسلمانوں کی جن زمینوں کو حجاج نے دوبارہ خراجی قرار دیا تھا کو عشری قرار دیا۔[۴]

۵۔ رعایا پر جو نامناسب ٹیکس لگاتے گئے تھے ان کی موقوفی کا حکم دیا۔ عربی زبان میں اس قسم کے ٹیکسوں کو مکس کہتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ یہ مکس نہیں بلکہ بخس ہے۔ وہ بخس جس کی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۤءَهُمْ	لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ[۵]	زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔

ان اصلاحات کے ساتھ ہمیشہ یہ خیال رکھتے تھے کہ صدقہ و زکوٰۃ ناجائز طریقہ سے وصول نہ کئے جائیں۔ پہلے پلوں اور شاہراہوں پر محصلِ زکوٰۃ و صدقہ وصول کرتے تھے، لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ لوگ اس طریقہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں تو اس کو بالکل موقوف کر دیا اور ہر شہر میں ایک عامل مقرر کیا جو زکوٰۃ وصول کرتا تھا۔[۶]

خراج کے متعلق انھوں نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو جو فرمان لکھا تھا، اس کو قاضی ابو یوسف نے بلفظہٖ نقل کر دیا ہے۔ چونکہ اس سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے طرزِ عمل کا نہایت

---

۱ طبقات ابنِ سعد ص ۲۶۲۔ ۲ ایضاً ص ۲۷۶۔ ۳ فتوح البلدان ص ۸۰۔ ۴ ایضاً ص ۵
۵ مقریزی ج ۱ ص ۱۰۳ و طبقات ابن سعد ص ۲۸۳۔ ۶ طبقات ابن سعد ص ۲۷۹۔

Marfat.com

تفصیل کے ساتھ اندازہ ہوتا ہے' اس لیے ہم اس کا لفظی ترجمہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں:۔

"زمین کا معائنہ کرو، بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بنجر پر نہ ڈالو۔ بنجر زمینوں کا معائنہ کرو۔ اگر ان میں کچھ صلاحیت ہو تو بقدر گنجائش اس سے خراج لو اور اس کی اصلاح کرو تاکہ آباد ہو جائے۔ جن آباد زمینوں سے کچھ پیداوار نہیں ہوتی' ان سے خراج نہ لو اور جو زمینیں قحط زدہ ہو جائیں ان کے مالکوں سے نہایت نرمی کے ساتھ خراج وصول کرو۔ خراج میں صرف وزن سبعہ لو۔ جن میں سونا نہ ہو۔ ٹکسال اور چاندی پگھلانے والوں سے ٹیکس۔ نوروز اور مہرجان کے ہدیے۔ عرائض نویسی اور فتوح کا ٹیکس، گھروں کا ٹیکس اور نکاحانہ نہ لو اور جو ذمی مسلمان ہو جائیں ان پر خراج نہیں ہے۔"[۱]

یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اس واگذاشت، اس مراعات اور اس رفق وملاطفت کے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں جو مال گزاری وصول ہوئی۔ اس سے حجاج کے مظالم زمانہ کو کوئی نسبت نہیں (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خود فخر یہ فرماتے تھے کہ خدا حجاج پر لعنت کرے اس کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے عراق سے ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم۔ زیاد نے ۱۰ کروڑ ۲۵ لاکھ درہم اور حجاج نے باوجود ظلم کے ۲ کروڑ اسّی لاکھ درہم وصول کئے۔ اس نے کاشتکاروں کو ۲۰ لاکھ درہم زمین کی آبادی کے لیے بطور قرض کے دیئے تو ایک کروڑ ساٹھ لاکھ اور وصول ہوئے۔ لیکن باوجود اس ویرانی کے عراق میرے قبضہ میں آیا تو میں نے ۱۰ کروڑ ۲۴ لاکھ درہم وصول کئے اور اگر زندہ رہا تو حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانے سے بھی زیادہ وصول کروں گا۔[۲]

جیل خانے کی اصلاح مجرموں کو جرائم پر سزا دینا، اگرچہ قیام امن کے لیے ضروری ہے تاہم وحشت و تمدّن کے لحاظ سے سزا کی نوعیت اور مجرمین کی حالت میں اختلاف ہوتا رہتا ہے

---

[۱] کتاب الخراج ص ۴۹۔ [۲] معجم البلدان ذکر سواد۔

Marfat.com

اسلام چونکہ ایک متمدّن سلطنت کا بانی تھا، اس لیے اس نے قیدیوں کے ساتھ ان تمام مراعات کو قائم رکھا جو مقتضائے انسانیت تھیں[1] ان مراعات کی ابتدار سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی اور حکم دیا کہ قیدیوں کے کھانے کپڑے کا انتظام بیت المال سے کیا جائے۔ ان کے بعد اگرچہ تمام خلفار نے اس طریقہ کو قائم رکھا، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے تک اس میں متعدد خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں[1]

(۱) ولید صرف شبہہ کی بنار پر لوگوں کو گرفتار کرتا تھا اور ان کو قتل تک کی سزا دیتا تھا[2]

(۲) جو قیدی اپنے وطن اور عزہ و اقارب سے دور قید خانے میں مرجاتے تھے، ان کی لاش دو دو دن تک قید خانے میں پڑی رہتی تھی خود قیدی باہم صدقہ و خیرات کی رقمیں جمع کرکے مزدوروں کے ذریعہ سے قبرستان تک ان کی لاش پہنچوا دیتے تھے اور وہ بلا غسل و کفن و بلا نماز جنازہ دفن کر دیئے جاتے تھے[3]

۳۔ اسلام نے خود جن جرائم پر سزائیں مقرر کر دی ہیں، ان میں تو کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ تاہم اسلام نے تعزیر کی کوئی تحدید نہیں کی ہے اور اس کو خود امام کی رائے پر چھوڑ دیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں عمال نے اس میں اس قدر سختیاں کر دی تھیں کہ بعض جرائم پر بلکہ صرف الزام و شبہہ پر تین تین سو کوڑے مارتے تھے[4]

۱۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان تمام ظالمانہ طریقوں کی طرف توجہ کی اور ان میں سے ہر ایک مٹایا۔

موصل میں چوری کی وارداتیں بکثرت ہوتی تھیں، اس لیے اس کے انسداد کے لیے وہاں کے عامل نے ان سے دریافت کیا کہ میں لوگوں کو شبہہ پر گرفتار کرکے سزا دوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ طریقہ سنت کے موافق ان کو شہادت کی بنار پر گرفتار کرو، اگر حق ان کی اصلاح نہیں کرسکتا تو خدا ان کی اصلاح نہ کرے[5]

---

[1] کتاب الخرج ص ۸۸ ۔ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۳۴۸ ۔ [3] کتاب الخراج ص ۸۹ ۔ [4] ایضاً ص ۸۹ ۔ [5] سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۹۷ ۔

۲۔ قیدیوں کے بے گور و کفن چھوڑ رکھنے کا جو طریقہ جاری ہو گیا تھا، اس کی نسبت عمال کو لکھا کر اسلام میں یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔[1]

۳۔ شبہہ پر جو سخت سزائیں دی جاتی تھیں اس کی نسبت اخلاقی حیثیت سے کہا کہ یہ بالکل جائز نہیں ہے، بجز شرعی حقوق کے ہر حال میں مسلمانوں کی پیٹھ بالکل محفوظ ہے[2] اور قانونی طور پر تعزیر کی تحدید کر دی جس کی انتہائی مقدار ۳۰ کوڑا تھی[3] اس کے ساتھ قیدیوں کے ساتھ مختلف قسم کی مراعات کیں۔

(۱) عام حکم دیا کہ کسی مسلمان قیدی کو اتنی بھاری بیڑیاں نہ پہنائی جائیں کہ وہ نماز نہ پڑھ سکیں۔ اور قاتل کے سوا ارات کو تمام مجرمین کے پاؤں سے بیڑیاں اتار دی جائیں[4]

(۲) قیدیوں کو جو کھانا ملتا تھا اس کی نسبت ملازمین جیل کو بد دیانتی کا خیال تھا۔ اس لیے حکم دیا کہ کھانے کے بجائے ان کو ماہوار روپیہ دیا جائے[5]

(۳) قیدیوں کی مختلف نوعیت اور مختلف حالت کے لحاظ سے ان کے لیے الگ الگ احکام جاری کئے چنانچہ تمام صوبوں کے گورنروں کو لکھا کہ اگر بیمار قیدیوں کے عزیز و اقارب نہ ہوں یا ان کے پاس مال نہ ہو تو ان کی خبر گیری کرو، جو لوگ قرض کے بارے میں قید کئے جائیں ان کو اور مجرموں کے ساتھ ایک کوٹھری میں نہ رکھو اور عورتوں کو الگ قید کرو اور جیلر ایسا شخص مقرر کرو جو قابلِ اعتماد ہو اور رشوت نہ لے۔

ان احکام کے ساتھ ابو بکر بن حزم کو خصوصیت کے ساتھ لکھا کہ ہفتے کے روز جیل خانے کا معائنہ کیا کرو[6]۔ اور دوسرے عمال کو قیدیوں کے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت کی[7]

جیل خانے کے متعلق انھوں نے جو فرمان جاری کیا تھا اگرچہ اس کا خلاصہ اوپر گزر چکا ہے، تاہم اس موقع پر ہم اس کا بلفظہٖ ترجمہ کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس سے ان کے

---

[1] کتاب الخراج ص ۸۹ ۔ [2] ایضاً ص ۸۹ ۔ [3] طبقات ابن سعد ص ۲۸۴۔ [4] کتاب الخراج ص ۸۸
[5] کتاب الخراج ص ۸۸ ۔ [6] طبقات ابن سعد ص ۲۶۳ ۔ [7] ایضاً ص ۲۷۸ ۔

Marfat.com

طرزِ عمل پر مزید روشنی پڑے گی۔

" قید خانے میں کسی مسلمان کو اس طرح بیڑی نہ پہنائی جائے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے اور بجز قاتل کے رات کے وقت ہر قیدی کی بیڑی اُتار لی جائے ان کا اتنا وظیفہ مقرر کرو جوان کے کھانے کے لیے کافی ہو۔ اس کا اندازہ کر لو اور یہ وظیفہ ان کو ماہوار دو۔ کیونکہ اگر ان کو روٹی دی جائے گی تو قید خانے کے نگراں کار اس کو اُڑا لیں گے۔ اس کا انتظام ایک نیک آدمی کے سپرد کرو جو ان کے نام کو رجسٹر میں درج کرے اور وہ رجسٹر اس کے پاس رہے۔ اور وہ ہر مہینے میں بیٹھ کر ایک ایک قیدی کا نام لے کر پکارے اور خود ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا وظیفہ دے، جو لوگ رہا ہو جائیں ان کا وظیفہ بند کر دیا جائے اور ہر قیدی کو مہینے میں دس درہم دیئے جائیں، لیکن ہر قیدی کو وظیفہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

قیدیوں کو جاڑے میں ایک قمیض اور ایک کمبل اور گرمیوں میں قمیض اور تہبند دینا ہوگا۔ عورتوں کو بھی اسی قدر وظیفہ ملے گا لیکن ان کے لباس میں ایک برقع کا اضافہ کرنا ہوگا۔

قیدیوں کو اس سے بے نیاز کر دو کہ وہ بیڑیاں ہلاتے ہوئے نکلیں کہ لوگ ان کو صدقہ و خیرات دیں۔ کیونکہ یہ ایک بڑا جرم ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جو جرائم کی پاداش میں قید ہو، اس طرح نکلے۔ میرا خیال ہے کہ اہلِ شرک بھی مسلمان قیدیوں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے ہوں گے۔ پھر مسلمانوں کے ساتھ یہ برتاؤ کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ یہ لوگ بھوک کی شدت کی وجہ سے اس طرح پابندِ سلاسل نکلتے ہیں اور کبھی کھانے پینے کے لیے کچھ پا جاتے ہیں اور کبھی نہیں پاتے۔ کوئی آدمی گناہ سے محفوظ نہیں ہے، ان کی خبر گیری

Marfat.com

کرو اور جیسا کہ میں نے لکھا ان کو وظیفہ دو، جو قیدی مرجائیں اور ان کے عزیز و اقارب نہ ہوں، ان کی تجہیز و تکفین کا سامان بیت المال سے کیا جائے اور نماز جنازہ کے بعد وہ دفن کئے جائیں مجھے معتمد لوگوں کے ذریعے اطلاع ملی ہے کہ جب کوئی غریب الوطن قیدی مرجاتا ہے تو وہ قیدخانے میں دو دو دن تک پڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب والی سے اس کے دفن کے متعلق اجازت لے لی جاتی ہے اور جب خود قیدی اس کے لیے صدقہ جمع کرتے ہیں اور اجرت پر اس کی لاش کو قبرستان میں بھیجتے ہیں تو بلا غسل و کفن اور بلا نماز جنازہ کے دفن کیا جاتا ہے۔ اسلام میں یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ اگر تم حدود کو جاری کرو تو قیدی کم ہو جائیں اور بدمعاش اور ڈاکو ڈرنے لگیں اور اپنے جرائم سے باز آئیں۔ قیدیوں کی تعداد صرف عدم نگرانی سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ صرف قید ہے، نگرانی نہیں ہے۔ اپنے تمام عمال کو ہدایت کرو کہ روزانہ قیدیوں کی نگرانی کریں، جن لوگوں کی اصلاح صرف تادیب سے ہو سکے ان کو تادیب کر کے رہا کر دیا جائے اور جس پر کوئی مقولہ قائم نہ ہو اس کو بالکل رہا کر دیا جائے۔ ان کو یہ بھی ہدایت کر دو تادیب و تعزیر میں حد اعتدال سے آگے قدم نہ بڑھائیں۔ کیونکہ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ لوگ مجرمین کو صرف شبہہ کی بنا پر دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے کم و بیش کوڑے لگواتے ہیں لیکن یہ جائز نہیں ہے مسلمان کی پیٹھ بجز حق شرعی کے ہر حالت میں محفوظ ہے[1]

اس فرمان کو پڑھو اور غور کرو کہ اس تہذیب و تمدن کے زمانے میں قیدخانے کی اصلاح کا جو معیار قائم کیا گیا ہے، کیا وہ اس سے بلند ہے؟

---

[1] کتاب الخراج ص ۸۸، ۸۹۔

Marfat.com

(۱) **اشاعتِ اسلام** | اسلامی سلطنت طول وعرض میں اگر مشرق سے مغرب تک پھیل جا[ئے] لیکن اس میں کوئی خدا کا نام لینے والا نہ ہو تو وہ صرف سیاسی حیثیت سے اسلامی سلطنت ہوگی۔ مذہب کی زبان سے اس کو یہ خطاب نہ مل سکے گا۔ اسلامی ممالک کا تمغۂ امتیاز صر[ف] توحید کی پاک آواز ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں اس کا غلغلہ ممالک محروسہ کے گوشے گوشے سے بلند ہوا۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد اشاعتِ اسل[ام] کو قرار دیا اور اس پر ہر قسم کی مادّی اور اخلاقی طاقت صَرف کی جو افسر کفار کے ساتھ معرکہ آ[را تھے] ان کو ہدایت کی کہ :

لا تقاتلن حصنا من حصون	رومیوں کے کسی قلعہ اور کسی جماعت
الروم ولا جماعة من	سے اس وقت تک جنگ نہ کرو
جماعاتهم حتى تدعوهم	جب تک ان کو اسلام کی دعوت
الى الاسلام[1]	نہ دے لو۔

لوگوں کو ایتلافِ قلب کے لیے بڑی بڑی رقمیں دے کر اسلام کی طرف مائل کیا، چن[انچہ] ایک بار ایک پادری کو اس غرض سے ہزار اشرفیاں دیں[2]۔

شاہان ماوراء النہر کو اسلام کی دعوت دی اور ان میں بعض نے اسلام قبول کیا، چنانچہ علامہ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں :

كتب الى ملوك ماوراء النهر	انھوں نے ماوراءالنہر کے بادشاہوں
يدعوهم الى الاسلام	کو دعوتِ اسلام دی اور ان میں
فاسلم بعضهم۔ (فتوح البلدان ص ۴۲۲)	بعض اسلام لائے۔

سندھ کے سلاطین کے نام دعوت نامہ روانہ کیا۔ تو چونکہ وہ لوگ ان کے حسنِ اخلاق [کی] شہرت پہلے سے سن چکے تھے، اس لیے بہت سے بادشاہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنا[م]

---

[1] طبقات ابنِ سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۶۱۔ [2] ایضاً ص ۲۵۸۔

Marfat.com

عربی رکھا/ علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

فکتب الی الملوک یدعوھم	انھوں نے بادشاہوں کو اسلام اور
الی الاسلام والطاعة	اطاعت کی طرف اس شرط پر دعوت
علی ان یملکھم ولھم	دی کہ ان کی بادشاہی میں کوئی خلل
ما للمسلمین وعلیھم	نہ آئے گا اور جو حقوق مسلمانوں کے
ما علیھم وقد کانت	ہیں، ان کو ملیں گے اور جو ذمہ داریاں
بلغتھم سیرتہ و	مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں، وہ ان
مذھبہ فاسلم حلیشہ	پر عائد ہوں گی، چونکہ تمام بادشاہوں
والملوک وتسموا	کو ان کے کیریکٹر کا حال معلوم ہو چکا
باسماء العرب [1]	تھا اس لیے حلیشہ اور دوسرے
	بادشاہ اسلام لائے اور اپنا نام
	عربی رکھا۔

(جراح بن عبداللہ الحکمی کو جو خراسان کے عامل تھے، لکھا کہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں اور وہ اسلام لائیں تو ان کا جزیہ معاف کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان کے ہاتھ پر چار ہزار ذمی اسلام لائے[2] جراح کے حسنِ خلق کی شہرت پھیلی تو ان کے پاس تبت سے وفود آئے کہ ان کے یہاں داعیانِ اسلام روانہ کریں۔ چنانچہ اس غرض سے انھوں نے سلیط ابن عبداللہ المنفی کو روانہ کیا[3])

اسماعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر جو مغرب کے عامل تھے، وہ اگرچہ بذاتِ خود اس خدمت میں مصروف تھے اور بربر کو اسلام کی دعوت دیتے تھے لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا دعوت نامہ پہنچا اور اسمٰعیل نے اس کو پڑھ کر سنایا تو اس کا اس قدر اثر ہوا کہ اسلام تمام

[1] فتوح البلدان ص ۲۴۶۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۸۵۔ [3] یعقوبی ج ۱ ص ۳۶۲۔

Marfat.com

مغرب کے افق پر چھا گیا۔ علاّمہ بلاذری لکھتے ہیں:

ثم لما كانت خلافة
عمر بن عبد العزيز ولى
المغرب اسماعيل بن
عبد الله بن ابى المهاجر
فاحسن سيرة ودعى البربر
الى الاسلام وكتب
اليهم عمر بن عبد العزيز كتبا
يدعوهم بعد الى ذالك فقرأه
اسماعيل عليهم فى النواحى فغلب
اسلام على المغرب۔

پھر جب حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا
دور آیا تو انھوں نے اسماعیل بن عبد اللہ
بن ابی المہاجر کو مغرب کا گورنر مقرر
کیا۔ انھوں نے نہایت عمدہ روش
اختیار کی اور بربر کو اسلام کی دعوت
دی۔ اس کے بعد خود حضرت عمر بن
عبد العزیزؓ نے ان کے نام دعوت نامہ
روانہ کیا۔ اسمٰعیل نے یہ دعوت نامہ
پڑھ کر ان کو سنایا تو اسلام مغرب
پر غالب ہو گیا۔

(ان کے زمانے میں اشاعتِ اسلام کا سب سے زیادہ موثر سبب یہ ہوا کہ حجاج کی ظا[لمانہ]
روش کے مطابق نومسلموں سے اب تک جو جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ انھوں نے اس سے ان
کو بالکل بری کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ جزیہ کی آمدنی میں
دفعتۃً غیر معمولی کمی پیدا ہو گئی۔ عمال نے ان کو اس کمی کی طرف توجہ دلائی تو انھوں نے سب
لکھ دیا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے داعیٔ اسلام بنا کر بھیجا تھا نہ کہ محصلِ خراج۔ ایک
عدی بن ارطاۃ نے ان کو لکھا کہ اس کثرت سے لوگ اسلام لا رہے ہیں کہ مجھے خراج میں کم[ی]
واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ انھوں نے ان کو جواب دیا کہ میری یہ خواہش ہے کہ تمام لوگ
مسلمان ہو جائیں اور ہماری اور تمہاری حیثیت صرف ایک کاشتکار کی رہ جائے کہ اپنے
ہاتھ کی کمائی کھائیں۔

احیائے شریعت | خاندان بنو امیہ میں جن خلفاء کا نام تاریخ کے اوراق میں روشن نظر [آتا]

Marfat.com

ان میں ولید، سلیمان اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نہایت نمایاں ہیں۔ لیکن جن خصوصیات نے ان کی عہدِ خلافت کو اس قدر نمایاں کیا ہے، وہ بالکل مختلف ہیں۔ ولید جیسا کہ ایک راوی بیان کرتا ہے۔

کان صاحب بناء واتخاذ المصانع والضیاع وکان الناس یلتقون فی زمانہ فانما یسئل بعضہم بعضا عن البناء والمصانع۔	عمارات وغیرہ کا بانی تھا اور لوگ اس کے زمانے میں باہم ملتے تھے تو صرف عمارات ہی کا حال پوچھتے تھے۔

اور سلیمان بن عبدالملک

کان صاحب نکاح وطعام فکان الناس یسئل بعضہم بعضا عن التزویج والجواری۔	کھانے والا اور نکاح کرنے والا بادشاہ تھا، اس لیے اس کے عہد میں لوگ صرف شادی اور لونڈیوں کا چرچا کرتے تھے۔

لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنی حکومت کا ستون صرف روحانیت کو بنایا اس بنا پر

فلما ولی عمر بن عبدالعزیز کانوا یلتقون فیقول الرجل للرجل ما وردک اللیلۃ وکم تحفظ من القرآن ومتی تختم ومتی ختمت وما تصوم من الشہر[1]	جب وہ خلیفہ ہوئے تو باہمی ملاقات میں ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا تھا کہ رات کو تم کون سا وظیفہ پڑھتے ہو، تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہے؟ تم قرآن کب ختم کرو گے اور کب ختم کیا تھا اور مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو؟

[1] تاریخ طبری ص ۱۲۷۲، واقعات ۹۶ھ۔

Marfat.com

لیکن یہ ان کے دورِ حکومت کی خصوصیت کا نہایت اجمالی بیان ہے۔ اس لیے ہم تفصیل کے ساتھ بتانا چاہیئے کہ سنّت نبویہ کے احیاء، بدعات کے انکار اور شرائعِ اسلامی ترویج و اشاعت کے متعلق ان کے کیا کیا کارنامے ہیں؟

اسلام درحقیقت چند اعمال و عقائد کے مجموعے کا نام ہے، جن کا تحفظ و بقا مسلمان بادشاہ کا فرض ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان اعمال و عقائد کے تحفظ و بقا کو اپنی زندگی کا اصلی مقصد اور اپنے دورِ خلافت کا طغرائے امتیاز قرار دیا۔ چنانچہ جزیرہ کے عامل عدی ابن عدی کے نام انھوں نے جو فرمان بھیجا اس میں اس مقصد کو نہایت واضح طور پر ظاہر کر دیا۔ چنانچہ اس فرمان کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

ان للایمان فرائض و	ایمان چند عقائد، چند احکام اور
شرائع وحدودا و	چند سنن کا نام ہے، جس شخص نے
سننا فمن استکملها	ان تمام اجزاء کی تکمیل کرلی اس
استکمل الایمان ومن	نے ایمان کو مکمل کرلیا اور جس نے
لم یستکملها لم یستکمل	ان کو مکمل نہیں کیا، اس نے ایمان
الایمان فان اعش	کو مکمل نہیں کیا۔ اگر میں زندہ رہا تو
فسابینها لکم حتی	ان تمام اجزاء کو تمھارے سامنے
تعملوا بها وان	بیان کر دوں گا تاکہ تم لوگ ان پر
امت فما انا علی	عمل کرو اور اگر میں مرگیا تو مجھے
صحبتکم بحریص[1]	تمھارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں۔

اور اپنی زندگی میں انھوں نے ان اجزاء کو جس طرح قائم رکھا جس طرح ان کا تحفظ کیا اور جس طرح ان کی ترویج و اشاعت کی۔ اس کی نظیر کسی خلیفہ یا بادشاہ کے دورِ حکومت میں نہیں مل سکتی

[1] بخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس۔

Marfat.com

عقائد عقائد کے رسوخ و استحکام کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ مذہبی اسرار و رموز میں زیادہ غور و خوض اور موشگافی نہ کی جائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اگرچہ کبھی کبھی ذاتی طور پر اس قسم کے مباحث میں حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو عون بن عبد اللہ، موسیٰ بن ابی کثیر اور عمر بن حمزہ ان کی خدمت میں آئے اور مسئلہ رجاء کے متعلق ان سے مناظرہ کیا اور ان لوگوں کا بیان ہے کہ انھوں نے اس مسئلہ میں ان سے موافقت[1] کی لیکن اس کے ساتھ وہ عام طور پر لوگوں کو کبھی اس قسم کے دقیق مسائل کی طرف مائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک بار کسی شخص نے اسی قسم کا کوئی مسئلہ پوچھا تو بولے کہ مکتب کے بچوں اور صحرا کے بدوؤں کا دین اختیار کرو اور اس کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ[2] فرماتے تھے کہ جب کسی قوم کو دیکھو کہ وہ عوام کے سامنے اس قسم کی مذہبی گفتگو کرتی ہے تو سمجھو کہ گمراہی کی بنیاد ڈالتی ہے[3]۔

عقائد کے متعلق جو نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے تھے، ان کو محدثین کی اصطلاح میں "اہوا" کہتے تھے جو ضلالت و گمراہی کے مترادف ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں اس قسم کے مسائل میں مسئلہ قضا و قدر کا زیادہ چرچا پھیلا ہوا تھا۔ جس کو معبد جہنی کے بعد غیلان دمشقی نے بہت کچھ وسعت و ترقی دی تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سب سے پہلے اس سے توبہ کرائی اور اس نے بظاہر توبہ بھی کر لی[4] اس کے بعد ہر ممکن تدبیر سے اس کے اثر کو مٹانا چاہا۔ اس زمانے میں ہر قسم کے خیالات کی اشاعت و مقبولیت کا اصلی ذریعہ محدثین و فقہاء تھے۔ اس لیے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس گروہ کو ان خیالات کے قبول کرنے سے روک دیا کہ ان کے ذریعہ سے یہ مرض تمام قوم میں پھیلنے نہ پائے۔ چنانچہ ایک بار امام مکحول سے کہا:

ایاك ان تقول فی القدر	تم مسئلہ تقدیر میں ہرگز وہ نہ
مایقول ھولاء یعنی	کہو جو غیلان اور اس کے پیرو
غیلان واصحابہ[5]	کہتے ہیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۱۸ تذکرہ عون بن عبد اللہ۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۷۵۔ [3] جامع بیان العلم ص ۱۵۳۔ [4] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴۔ [5] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۲۸۴۔

Marfat.com

نماز عقائد کے بعد اعمال کا درجہ ہے جن میں سب سے مقدم نماز ہے۔ خلفائے بنو امیہ بالخصوص حجاج نے نماز کے ساتھ جو غفلت برتی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پابندی اوقاتِ نماز صحابۂ کرام کے زمانے میں نہایت ضروری چیز خیال کی جاتی تھی بالکل جاتی رہی۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام عمال کے نام ایک فرمان بھیجا جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

اجتنبوا الاشغال عند حضور الصّلوٰۃ فمن اضاعہا فھو لما سواھا من شرائع الاسلام اشد تضییعاً۔[1]	نماز کے وقت تمام کام چھوڑ دو کیونکہ جس شخص نے نماز کو ضائع کیا، وہ اور فرائض اسلام کا سب سے زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔

اس کے علاوہ ذاتی طور پر لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلائی۔ ایک بار انھوں نے ایک شخص کو مصر روانہ کرنا چاہا۔ اس نے جانے میں دیر کی تو آدمی بھیج کر بلوایا، وہ آیا تو فرمایا کہ گھبراؤ نہیں۔ آج جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ پڑھے بغیر یہاں سے نہ ٹلنا۔ ہم نے تم کو، ایک جلدی کے کام کے لیے بھیجا تھا لیکن یہ عجلت تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ نماز کو وقت ٹال کے پڑھو۔ خدا نے اس قوم کی نسبت جس نے نماز کو برباد کر دیا اور شہوت پرستی کی، فرمایا ہے کہ وہ عنقریب ضلالت سے ملاقی ہوں گے، لیکن انھوں نے نماز کو بالکل ترک نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ اس کے وقت کی پابندی چھوڑ دی تھی۔[2]

ان ہدایات کے علاوہ ملک میں ہر جگہ عملی طور پر نماز کا اہتمام کیا اور موذنین کی تنخواہیں مقرر کیں۔ طبقات ابن سعد میں کثیر بن زید سے روایت ہے:

قدمت خناصرۃ فی خلافۃ عمر بن عبد العزیز فرایتہ یرزق المؤذنین من بیت المال۔[3]	میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خلافت میں خناصرہ میں آیا تو دیکھا کہ وہ موذنین کو بیت المال سے وظیفہ دیتے ہیں۔

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۲۔ [2] ایضاً ص ۸۳۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

Marfat.com

زکواۃ وصدقہ اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خلافت کی یہ برکت تھی کہ جب لوگوں کو ان کے خلیفہ ہونے کی خبر ہوئی تو نہایت سرعت سے صدقۂ فطر ادا کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ان کے ایک عامل نے لکھا کہ اب بہت سا صدقۂ فطر جمع ہو گیا ہے۔ اپنی رائے سے اطلاع دیجئے کہ اس کو کیا کیا جائے[1] تاہم وہ نہایت شدت کے ساتھ لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ ایک بار خناصرہ میں عید سے ایک دن پہلے جمعہ کے روز خطبہ دیا، جس میں لوگوں کو صدقۂ فطر دینے پر آمادہ کیا اور کہا کہ جو لوگ زکواۃ نہیں دیتے ان کی نماز مقبول نہیں ہے، لوگ آٹا اور ستو لاتے تھے اور وہ قبول کرتے جاتے تھے[2]

(حجاج نے زکواۃ کا جو نظام خراب کر دیا تھا۔ اس کے متعلق عمال کو ہدایت کی کہ اس کی روش سے اجتناب کریں) چنانچہ ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ میں نے زکواۃ کے معاملہ میں تم کو حجاج کی تقلید سے روکا ہے۔ کیوں کہ وہ اس کو غیر محل سے لیتا تھا اور غیر محل میں صرف کرتا تھا[3] ایک بار ان کو عدی کی نسبت معلوم ہوا کہ شراب کا عشر لیتے ہیں تو ان کو لکھا کہ بیت المال میں صرف حلال مال داخل کرو[4]۔

لہو و نیاحۃ کی ممانعت ان فرائض کے علاوہ شریعت نے جن چیزوں کی ممانعت کی تھی۔ ان پر شدت کے ساتھ دارو گیر کی۔ ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمان لہو و لعب میں مصروف ہو گئے ہیں اور بہت سی عورتیں جنازے کے ساتھ بال کھولے ہوئے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں، تو تمام عمال کے نام ایک فرمان بھیجا جس کا خلاصہ یہ ہے:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ سفہا کی عورتیں مردے کی وفات کے وقت بال کھولے ہوئے اہلِ جاہلیت کی طرح نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں، حالانکہ جب سے عورتوں کو آنچل ڈالنے کا حکم دیا گیا، ان کو دوپٹہ اتارنے کی اجازت نہیں

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۸۵۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ۲۶۴۔
[3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۸۔ [4] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۸۰۔

Marfat.com

دی گئی۔ پس اس نوحہ و ماتم پر قدغن بلیغ کرو۔ یہ اہلِ عجم چند چیزوں سے جن کو شیطان نے ان کی نگاہ میں محبوب کر دیا تھا۔ دل بہلاتے تھے۔ پس مسلمانوں کو اس لہوولعب اور راگ باجے سے روکو اور جو نہ باز آئے، اس کو اعتدال کے ساتھ سزا دو[1]

(۱۸) **انسداد شراب نوشی** حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شراب نوشی کے انسداد کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کیں:

۱۔ تمام عمال کے نام فرمان بھیجا کہ کوئی ذمی مسلمانوں کے شہروں میں شراب نہ لانے پائے[2]

۲۔ شراب کی جو دوکانیں قائم تھیں ان کو بالکل توڑوا دیا[3]

۳۔ جو لوگ نبیذ کے حیلے سے شراب پیتے تھے ان کی نسبت عدی بن ارطاۃ کو لکھا:

"لوگوں نے اس شراب کو پی کر بدمستی کی حالت میں نہایت برے برے کام کئے اور اکثر ان میں کہتے ہیں کہ اس شراب کے پینے سے کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جو چیز اس قسم کے کام کراتی ہے اس کے استعمال میں سخت ہرج ہے۔ خدا نے اور بھی بہت سی پینے کی چیزیں پیدا کر کے شراب سے بے نیاز کر دیا ہے۔ مثلاً آبِ شیریں، شیر خالص، شہد مصفّا وغیرہ، پس جو شخص نبیذ بنائے وہ صرف چمڑے کے مشکیزے میں بنائے۔ جس میں زفت کا رنگ نہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے ظروف کی نبیذ سے منع فرمایا ہے۔ اس روک ٹوک کے بعد اگر کسی نے اس قسم کی شراب پی تو ہم اس کو سخت سزا دیں گے جس شخص نے مخفی طور پر پیا تو خدا سخت عذاب دینے والا ہے[4]"

اس کے بعد جس قدر شیشے اور پیمانے رہ گئے تھے، وہ ان کے ہاتھ سے چور ہو گئے۔ چنانچہ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان کو خناصرہ میں دیکھا کہ شراب

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۹۰۔ [2] ایضاً ص ۲۶۹۔ [3] کتاب ولاۃ مصر ص ۶۸۔ [4] سیرت عمر

کپڑوں کے پھاڑنے اور شیشوں کے توڑنے کا حکم دے رہے ہیں[1]

مذہب اور اخلاق کے متعلق اور بھی بہت سے احکام تھے، جن کی خلاف ورزی مضر نتائج پیدا کر سکتی تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان تمام جزئیات کی طرف توجہ کی اور ان سے مسلمانوں کو روکا۔ مثلاً اہلِ عجم کی آمیزش و اختلاط سے تمام ممالک اسلامیہ میں حماموں کا رواج ہو گیا تھا اور اس میں مرد عورت بیباکانہ جا جا کر غسل کرتے تھے۔ لیکن اس میں شرم و حیا اور ستر عورت کا کافی انتظام نہیں کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عورتوں کو کلیتہً حمام میں جانے سے روک دیا اور مردوں کی نسبت عام حکم دیا کہ بغیر تہ بند کے حمام میں غسل نہ کریں۔ چنانچہ اس حکم پر اس شدّت کے ساتھ عمل ہوا کہ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حمام کے مالک اور حمام میں جانے والے دونوں کو دیکھا کہ ان کو سزا دی جا رہی ہے[2]

حماموں کی دیواروں پر تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ جو اصولِ شریعت کے خلاف تھیں۔ ایک بار انھوں نے ایک حمام میں اس قسم کی تصویر دیکھی تو مٹا دیا اور کہا کہ اگر مصوّر کا نام معلوم ہوتا تو میں اس کو سزا دیتا[3]

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، تاہم وہ اہلِ عجم کی طرح بالکل رفاہیت اور عیش پرستی کو بھی جائز نہیں قرار دیتا۔ اس لیے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال سنوارنے کا حکم دیا ہے تاہم اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ پٹیاں جمائی جائیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں اس قسم کے بہت سے شوقین پیدا ہو گئے تھے، اس لیے انھوں نے پولیس مینوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے دن مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہو جائیں اور جو شخص پٹیاں جمائے ہوئے گزرے اس کے بال کاٹ لیں[4]

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اس باب میں خاص اہتمام تھا کہ عرب کے قومی خصوصیات مٹنے نہ پائیں۔ چنانچہ ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ جب سامنے طشت رکھ کر وضو کرتے ہیں تو قبل اس کے کہ طشت پانی سے بھر جائے، پانی پھینک دیا جاتا ہے تو عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ اب سے جب تک طشت بھر نہ جائے یا سب لوگ فارغ نہ ہو جائیں پانی نہ پھینکا جائے[5]

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز ص ۲۶۹ ۔ [2] ایضاً ص ۲۶۳ ۔ [3] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۸۰
[4] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبد العزیز ص ۲۸۲ ۔ [5] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۸۶ ۔

Marfat.com

تدوینِ حدیث

قرآن مجید کے بعد اسلام کے احکام، اسلام کی تعلیم اور اسلام کے اخلاق کا مجموعہ وہ کلماتِ طیبہ ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے سے پہلے وہ صرف صحابہ اور تابعین کے سینوں میں محفوظ تھے۔ بخاری، مسلم، موطا اور احادیث کی دوسری کتابیں جو احادیث صحیحہ کا بہترین مجموعہ ہیں اس وقت تک وجود میں نہیں آئی تھیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس طرف توجہ نہ کی ہوتی تو علم حدیث کا یہ ذخیرہ وجود میں نہ آتا، لیکن انھوں نے دیکھا کہ انقضائے زمانہ کے ساتھ علماء کا گروہ روز بروز مٹتا جاتا ہے اور اس کے ساتھ علوم شرعیہ کے مٹ جانے کا بھی اندیشہ ہے۔ اس لیے انھوں نے قاضی ابوبکر بن حزم کو جو ان کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے لکھا کہ

انظر ما کان من حدیث	احادیث نبویہ کی تلاش کر کے ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	کو لو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور
وسلم فاکتبہ فانی خفت	علماء کے فنا ہونے کا خوف معلوم
دروس العلم وذھاب	ہوتا ہے اور صرف رسول اللہ
العلماء ولا یقبل لا حدیث	صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول
النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]	کی جائے۔

---

[1] بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم باب۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابونعیم کی تاریخ اصبہان سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف مدینہ اور مدینہ کے گورنر کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ انھوں نے تمام صوبوں کے گورنروں کے پاس اسی قسم کا فرمان بھیجا تھا[1]۔ بہرحال اس حکم کی تعمیل کی گئی اور جمع شدہ احادیث کے متعلق مجموعے تیار کرا کے تمام ممالکِ محروسہ میں تقسیم کئے گئے۔ جامع بیان العلم میں سعد بن ابراہیم سے روایت ہے:

امرنا عمر بن عبد العزیز	ہم کو عمر بن عبد العزیزؒ نے جمع حدیث
بجمع السنن فکتبناها	کا حکم دیا اور ہم نے دفتر کی دفتر
دفترا دفترا فبعث الی	حدیثیں لکھیں اور انھوں نے
کل ارض له علیها	ایک ایک مجموعہ ہر جگہ جہاں
سلطان دفترا۔[2]	جہاں ان کی حکومت تھی بھیجا۔

تعلیم مذہبی کی اشاعت احادیث کی تدوین و ترتیب کے بعد دوسرا کام یہ تھا کہ عام طور پر ان کی ترویج و اشاعت کی جائے۔ اس لیے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اسی فرمان میں قاضی ابوبکر بن حزم کو اس طرف توجہ دلائی اور لکھا:

ولیفشوا العلم	لوگوں کو چاہیئے کہ عام طور پر علم
ویجلسوا حتی یعلم	کی اشاعت کریں اور تعلیم کے لیے
من لا یعلم فان	حلقۂ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ
العلم لا یهلك حتی	نہیں جانتے وہ جان لیں کیونکہ
یکون سرا ۔	علم اس وقت تک برباد نہیں ہوتا
- - - - - - -	جب تک کہ وہ مخفی نہ رکھا جائے۔

ایک اور عامل کے نام لکھا:

---

[1] فتح الباری ج اوّل ص ۱۷۴۔ [2] جامع بیان العلم ص ۳۸۔

Marfat.com

امابعد فأمر اهل العلم ان	اہلِ علم کو حکم دو کہ اپنی مسجدوں میں
ینشروا العلم فی مساجدھم	علم کی اشاعت کریں، کیونکہ حدیثیں
فان السنة کانت قد امیتت[1]	مرچکی ہیں۔

(۲) اور جو لوگ اس مقدم کام میں مصروف ہوئے، ان کو فکرِ معاش و ضروریات زندگی سے بالکل بے نیاز کر دیا۔ چنانچہ حمص میں جو علماء تھے ان کی نسبت وہاں کے گورنر کو لکھا:

انظر الی القوم الذین	جن لوگوں نے دنیا چھوڑ کر اپنے
نصبوا انفسهم للفقه وحبسوها	آپ کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف
فی المسجد عن طلب الدنیا فاعط	کر رکھا ہے ان میں ہر ایک کو جس
کل رجل منهم مایة دینار یستعینون	وقت میرا خط پہنچے، بیت المال سے
بها علیٰ ما هم علیه من بیت	سو دینار دو تاکہ وہ لوگ اس
مال المسلمین حین یاتیك کتابی هذا[2]	حالت کو قائم رکھ سکیں۔

یہ فیاضی صرف علماء کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ اسی فیاضی کے ساتھ طلبہ کے وظائف مقرر کئے تھے[3]۔ ان کو علماء کی فراغ خاطر اور جمعیت قلب کا اس قدر خیال تھا کہ ہر ممکن ذریعہ سے ان کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ قاسم بن مخیمرہ ایک محدث تھے جو نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے وہ آئے تو ان کی جانب سے ستر دینار قرض ادا کیا۔ سواری اور ۵۰ دینار وظیفہ مقرر کر دیا[4]۔

ایک بار مجاہد ان کی خدمت میں آئے تو ان کو ۳۰ درہم دیئے اور کہا کہ یہ رقم میں نے اپنے عطیہ سے دی ہے[5]۔

(۳) بہت سے ممالک کے لوگوں کی تعلیم کے لیے خود متعدد علماء کو روانہ کیا۔ حض

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۹۴۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۹۵۔ [3] جامع بیان العلم ص
[4] تذکرہ الحفاظ جلد ۱ ص ۹۰۔ ا تذکرہ قاسم بن مخیمرہ۔ [5] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز

Marfat.com

نافعؓ جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام اور مدینہ کے فقیہ تھے ان کو مصر بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو علم حدیث کی تعلیم دیں۔ چنانچہ اس تعلق سے نافعؓ نے وہاں مدتوں قیام کیا[۱]

جعثل بن عاہان جو قرار میں تھے ان کو مصر سے مغرب کو بھیجا کہ وہاں جاکر لوگوں کو قرآت کی تعلیم دیں[۲]

بدوؤں کی تعلیم و تربیت کے لیے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یمجد الاشعری کو متعین کیا اور ان کے وظیفے مقرر کئے۔ یزید نے تو وظیفہ قبول کر لیا، لیکن حارث نے وظیفہ سے انکار کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو خبر ہوئی تو لکھا کہ یزید نے جو کچھ کیا اس میں ہرج نہیں اور خدا ہم میں حارث جیسے بہت سے اشخاص پیدا کرے[۳]

(۴) تعلیم کے علاوہ لوگوں کے ارشاد و ہدایت کے لیے تمام ممالک محروسہ میں واعظ اور مفتی مقرر کئے۔ چنانچہ حلاج ابوکثیر اموی کو جو ان کے باپ کے مولیٰ تھے۔ اسکندریہ کا واعظ مقرر کیا[۴] حجاز میں جو واعظ اس خدمت پر مامور تھا اس کو حکم تھا کہ تیسرے دن لوگوں کو وعظ و پند کرے[۵]

افتار کی خدمت پر متعدد لوگ مامور تھے اور جو لوگ مامور تھے وہ انتخاب روزگار تھے۔ مثلاً مصر میں یہ خدمت حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے یزید بن ابی حبیب کے متعلق کی تھی اور یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اہل مصر کو فقہ و حدیث سے آشنا کیا۔ چنانچہ علامہ سیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں۔

ھو اول من اظھر العلم	وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مصر میں
بمصر و المسائل فی	علم کو ظاہر کیا اور حلال و حرام کے
الحلال و الحرام	مسائل کو رواج دیا۔ وہاں کے

---

[۱] حسن المحاضرہ ج اوّل ص ۱۹ و زرقانی شرح موطا ج اول ص ۲۱۔ [۲] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۱۹۔ [۳] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۴۷۔ [۴] حسن المحاضرہ جلد ۱ ص ۱۰۸۔ [۵] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۴۳۔

Marfat.com

وقبل ذالک کانو یتحدثون	لوگ اس سے پہلے صرف ترغیب
فی الترغیب والملاحم والفتن	اور جنگ وغیرہ کے متعلق روایت
وھو احد ثلاثۃ جعل	کرتے تھے۔ وہ ان تین اشخاص میں
الیھم عمر ابن	ہیں جن کے متعلق حضرت عمر بن
عبد العزیز الفتیا[1]	عبدالعزیزؒ نے افتار کی خدمت کی تھی۔

فن مغازی اور مناقب صحابہ کی تعلیم و اشاعت مغازی اور مناقب صحابہ کی طرف اب تک علمی حیثیت سے کسی نے اعتنا نہیں کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خاص طور پر ان کی طرف توجہ کی اور عاصم بن عمر ابن قتادہ کو جو مغازی اور سیرت میں کمال رکھتے تھے، حکم دیا کہ مسجد دمشق میں بیٹھ کر مغازی اور مناقب کا درس دیں[2]۔

یونانی تصنیفات کی اشاعت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اصلی فرض اگرچہ کتاب وسنت کی اشاعت کرنا تھا اور انھوں نے ہر ممکن تدبیر سے اس کی اشاعت کی۔ تاہم غیر قوموں کے مفید علوم و فنون سے بھی انھوں نے مسلمانوں کو بالکل بیگانہ نہیں رکھا۔ طب میں ایک یونانی حکیم اہرن القس کی ایک مشہور کتاب تھی۔ جس کا ترجمہ ماسرجویہ نے مروان بن حکم کے زمانہ میں عربی زبان میں کیا تھا۔ یہ کتاب شاہی کتب خانے میں محفوظ تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو دیکھا تو چالیس روز تک استخارہ کیا۔ اس کے بعد عام طور پر اس کو ملک میں شائع کیا[3]۔

رفاہ عام کے کام اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام ممالک محروسہ میں نہایت کثرت سے سرائیں بنوائیں۔ چنانچہ خراسان کے عامل کو لکھا کہ وہاں کے راستوں میں بہت سی سرائیں تعمیر کرائی جائیں[4] اور سمرقند کے عامل سلیمان بن ابی السری کے پاس فرمان بھیجا کہ وہاں کے شہروں میں سرائیں تعمیر کراؤ، جو مسلمان ادھر سے گزریں یک شبانہ روز ان کی مہمان نوازی

---

[1] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۲۰۔ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ۔ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز

کرو۔ ان کی سواریوں کی حفاظت کرو۔ جو مسافر مریض ہو اس کو دو رات اور دو دن مقیم رکھو اگر کسی کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو تو اس کو اس قدر سامان کر دو کہ وہ اپنے وطن پہنچ جائے۔[۱]
ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس میں تمام فقرائ، مساکین اور مسافروں کو کھانا ملتا تھا[۲] ممالک محروسہ میں جو چراگاہیں تھیں، ان میں نقیع کے سوا تمام چراگاہوں کو عام کر دیا[۳] اور ان کے متعلق ایک عامل کو لکھا:

فما حمی من الارض الا یمنع احد مواقع القطر فابح الاحماء ثم الجھا[۴]	جو زمینیں چراگاہ بنا لی گئی ہیں تو جہاں جہاں برسات کا پانی گرے ان سے کسی کو نہ روکا جائے۔ اس لیے چراگاہوں کو عام کر دو اور ضرور عام کر دو۔

جزائر کو بھی بالکل وقفِ عام کر دیا۔[۵]

---

[۱] طبری ص ۱۳۶۴۔ [۲] طبقات ص ۲۷۹۔ [۳] ایضاً ص ۲۵۴۔ [۴] ایضاً ص ۲۸۱۔
[۵] طبقات ص ۲۷۷۔

Marfat.com

عمارات

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے کارنامہائے زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ پست نظر آتی ہے وہ عمارتوں کے کنگرے ہیں۔ ان کے عہدِ خلافت میں ایک عمارت بھی شاندار طور پر تعمیر نہیں ہوئی۔ انھوں نے نہایت معمولی طور پر صرف ضروری عمارتیں تعمیر کرائیں اور ان میں بھی زیادہ تر مذہبی عمارتیں۔ چنانچہ ان تمام عمارتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مساجد | مدینہ میں قبیلہ بنو عدی بن النجار کی مسجد گر گئی تو قاضی ابو بکر بن حزم نے اس کی تعمیر کی طرف ان کو توجہ دلائی۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ میری خواہش تو یہ تھی کہ میں دنیا سے جاؤں اور ایک پتھر پر دوسرا پتھر اور ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہ رکھوں لیکن اس مسجد کو متوسط پیمانہ پر کچی اینٹ سے تعمیر کروا دو۔[1]

علامہ ابن جبیر نے شہر راس العین کے حالات میں لکھا ہے کہ یہاں دو جامع مسجدیں ہیں ایک جدید اور ایک قدیم۔ قدیم حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی تعمیر کردہ ہے لیکن بہت پرانی ہو گئی ہے[2] اور دمشق کی مسجد کے ذکر میں ایک جگہ ضمناً لکھا ہے کہ اس کے شمالی دروازہ کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی طرف منسوب ہے۔[3] تاریخ حلب میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کفر ریا میں گئے اور وہاں کے لوگوں کے لیے ایک جامع مسجد اور ایک تالاب بنوایا۔[4]

---

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۸۳۔ [2] رحلہ ابن جبیر ص ۲۴۴۔ [3] ایضاً ص ۲۶۹۔ [4] تاریخ مملکت حلب ص ۱۷۹۔

Marfat.com

تجدید انصاب حرم | خلفاء کے دور میں اکثر حدود حرم کی تجدید ہوتی رہتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں مدینہ کے گورنر قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ وہ حدود حرم کی تجدید کرائیں[۱]

قصر شاہی | تاریخ حلب میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے خناصرہ میں ایک محل تعمیر کروایا تھا۔ جس میں آکر اکثر قیام کرتے تھے[۲]۔ لیکن غالباً ان کے عہدِ خلافت میں اس کے سوا کوئی سرکاری عمارت تعمیر نہیں ہوئی۔ ایک بار عدی بن ارطاۃ نے بصرہ کے دارالامارۃ کے اوپر بالاخانہ بنوانا چاہا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان کو روک دیا۔ اور لکھا کہ تیرے لیے وہ مکان بھی تنگ ہے جو زیاد اور آل زیاد کے لیے وسیع تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس کی تعمیر سے ہاتھ کھینچ لیا[۳]

شہروں کی آبادی | سلیمان بن عبدالملک جب ولید کی طرف سے فلسطین کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ اسی وقت سے اس نے شہر رملہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ جس میں سب سے پہلے اُس نے اپنا محل اور دارالصباغین تعمیر کروایا تھا۔ جس کے وسط میں ایک تالاب بھی تھا۔ اس کے بعد ایک مسجد کی داغ بیل ڈالی تھی۔ لیکن ابھی اس شہر کی تعمیر کا کام جاری تھا کہ اسی زمانہ میں وہ خلیفہ ہو گیا۔ اور اس کے بعد خلافت میں بھی تعمیر کا کام برابر جاری رہا۔ اس کے انتقال کے بعد جو کمی رہ گئی تھی۔ اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے پورا کیا۔ لیکن شہر کی داغ بیل جس وسیع پیمانے پر ڈالی گئی تھی۔ اس میں کمی کر دی اور کہا کہ اہل رملہ کے لیے اس قدر کافی ہو گا[۴]۔ ۱۰۰ھ میں رومیوں نے لاذقیہ کو جو ایک ساحلی شہر تھا حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے از سر نو اس کی تعمیر اور قلعہ بندی کرائی[۵]

۱؎ طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۶۸۔ ۲؎ تاریخ مملکت حلب ص ۵۹۔ ۳؎ فتوح البلدان ص ۳۵۷۔ ۴؎ فتوح البلدان ص ۱۵۰۔ ۵؎ فتوح البلدان ص ۱۳۹۔

Marfat.com

سیاست وحکومت

فرائض خلافت انسان میں مختلف قابلیتیں بہت کم جمع ہوتی ہیں۔ جو لوگ دماغی اور عقلی حیثیت سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اُن میں اخلاقی اوصاف بہت کم پائے جاتے ہیں۔ جو لوگ مذہبی اعمال میں اپنی زندگی صرف کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے اور کام اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے۔ اور جو لوگ ملکی وسیاسی کاموں کو نہایت سرگرمی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ ان کے ہاتھ سے مذہب اور اخلاق کا سررشتہ بالکل چھوٹ جاتا ہے۔ لیکن قدرت کا کوئی کلیہ استثنار سے خالی نہیں ہے اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز اس استثنار کی ایک نہایت عمدہ مثال ہیں۔

وہ جس پابندی اور مستعدی کے ساتھ مذہبی اعمال انجام دیتے تھے۔ اسی شوق وشغف کے ساتھ خلافت کے فرائض بھی ادا کرتے تھے۔ ان کی مشغولیت کو دیکھ کر بعض اشخاص ترس کھاتے تھے۔ اور ان کو آرام لینے کی ترغیب دیتے تھے۔ لیکن ان پر ان کی نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ عام معمول یہ تھا کہ دن بھر رعایا کے معاملات اور مقدمات کے فیصلہ میں مشغول رہتے۔ عشار کے بعد چراغ جلا کے بیٹھتے اور پھر یہی کام شروع ہوجاتا۔ اس کے بعد ارباب رائے سے امور خلافت کے متعلق مشورہ لیتے۔ رات کے بقیہ اوقات جو بچتے۔ وہ عبادت گزاری اور استراحت میں صرف کرتے۔ ایک دن رجار بن حیوۃ نے جو اُن کے مشیر خاص تھے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ کے اوقات تو بالکل رعایا کے معاملات میں صرف ہوتے ہیں۔ رات کو تھوڑا سا فرصت کا ج

وقت ملتا ہے۔ اس کو ہماری صحبت میں صرف کر دیتے ہیں۔ بولے لوگوں کی ملاقات سے عقل بارآور ہوتی ہے۔ اور مشورہ و مناظرہ رحمت کا دروازہ اور برکت کی کنجی ہے۔ جن کی وجہ سے کوئی رائے گمراہ نہیں ہوتی[1]

اس مستعدی کی بنا پر روز کا کام اسی روز انجام دیتے۔ ایک دن ان کے بھائی ریان بن عبدالعزیز نے ان کو مشورہ دیا کہ کبھی کبھی سیر و تفریح کے لیے باہر نکل جایا کیجئے۔ بولے پھر اس دن کام کیوں کر انجام پائے گا؟ انھوں نے کہا کہ دوسرے دن ہو رہے گا۔ بولے روز کا کام روز انجام پا جائے تو یہی بہت ہے۔ دو دن کا کام ایک دن میں کیوں کر پورا ہوگا؟[2]

بعض اشخاص نے ان کی فرصت کے اوقات سے متمتع ہونے کی خواہش ظاہر کی تو بولے فرصت کہاں؟ فرصت گئی۔ اب صرف خدا کے یہاں فرصت نصیب ہوگی۔[3]

خصوصیاتِ حکومت خلیفہ ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے یزید بن مہلب کے نام جو فرمان روانہ کیا اس کو پڑھ کر اس نے صاف کہہ دیا کہ یہ ان کے اسلاف کا کلام نہیں ہوتا۔ اور وہ ان کی شاہراہ پر چلنا نہیں چاہتے۔[4] یہ ان کے نظامِ حکومت کی خصوصیات پر ایک اجمالی ریویو ہے۔ اس لیے ہم کو تفصیل کے ساتھ بتانا چاہیئے کہ ان کا طرزِ جہانبانی کیا تھا؟ اور وہ کن اسباب کی بنا پر تمام خلفائے بنوامیہ سے مختلف تھا؟

اگرچہ یہ اختلاف ان کے نظامِ حکومت کے تمام جزئیات سے نمایاں ہو سکتا ہے لیکن جن خصوصیات کی بنا پر ان کا دورِ حکومت تمام خلفائے بنوامیہ کے دورِ حکومت سے ممتاز تھا وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) خلافتِ اسلامیہ کی بنیاد صرف کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ پر قائم ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور سے یہ بنیاد بالکل متزلزل ہو چکی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۷ و طبقات ابن سعد ص ۲۵۶۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۹۱۔ [3] طبقات ابن سعد ص ۲۹۴۔ [4] طبری ص ۱۳۶۲۔

Marfat.com

نے دوبارہ اس کو قائم کیا۔ اور عمر بھر قائم رکھا۔ چنانچہ ایک بار زمانۂ حج میں خطبہ دیا تو عام اعلان کیا کہ جو عامل کتاب و سنت پر عمل نہ کرے اس کی اطاعت فرض نہیں ہے۔ ایک موقع پر جب عباس بن ولید نے ان کے سامنے ولید کے ہاتھ کی ایک سند پیش کی۔ تو فرمایا خدا کی کتاب ولید کی کتاب سے زیادہ قابل اتباع ہے۔ ابوبکر بن حزم کا قول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا جو خط آتا تھا۔ اس میں سنت کے زندہ کرنے اور بدعت کے مردہ کرنے کا حکم لازمی طور پر ہوتا تھا[1] فرماتے تھے کہ اگر خدا میرے گوشت کے ٹکڑوں کے ذریعہ سے ہر بدعت کو مردہ اور سنت کو زندہ کرے یہاں تک کہ بالآخر میں میری جان پر بن جائے تو یہ خدا کے معاملہ میں نہایت آسان کام ہوگا[2] انھوں نے اس خصوصیت کو اپنی زندگی کی روحِ رواں قرار دیا تھا۔ اور فرماتے تھے کہ اگر میں سنت کو زندہ نہ کرسکوں یا شاہراہِ حق پر نہ چل سکوں تو ایک منٹ بھی زندہ رہنا پسند نہ کروں گا[3]

خلفائے راشدین کے دورِ خلافت میں سب سے زیادہ روشن زمانہ حضرت عمر بن الخطاب کا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے سیاسی منزل میں قدم رکھا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہی کے نقشِ قدم کو چراغ راہ بنایا۔ چنانچہ اس کے متعلق سالم بن عبداللہ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں۔

وقد رایت ان اسیر فی الناس	میں چاہتا ہوں کہ رعایا کے معاملے میں حضرت
بسیرۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	عمر بن الخطابؓ کی روش اختیار کروں۔ بشرطیکہ
ان قضی اللہ ذٰلک واستطعت	یہ خدا کو منظور ہو اور میں اس پر قادر ہوں۔ آپ
الیہ سبیلا فابعث الیٰ بکتب	میرے پاس حضرت عمرؓ کی تحریریں اور ان کے
عمر وقضائہ فی اھل القبلۃ و	فیصلے جو انھوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے
اھل العھد فانی متبع اثرہ و	متعلق کیے ہیں۔ بھیج دیجیے۔ اگر خدا کو منظور

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۵۲۔ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۵۳۔ [3] طبقات ابن سعد ص ۲۸۳۔

Marfat.com

سائر بسیرتہ انشاء اللہ تعالیٰ[1] ہوگا تو میں ان کے نقشِ قدم پر چلوں گا۔

اگرچہ اس روش کے اختیار کرنے کے لیے ان کا زمانہ اس قدر ناموزوں تھا کہ خود سالم ابن عبداللہ نے اُن کو جواب میں لکھا کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا دوسرے زمانے میں اور دوسرے اشخاص کے ذریعہ سے کیا۔ اگر تم نے باوجود ان ظالمانہ آزمائشوں کے اس کے مطابق عمل کیا تو تم خدا کے نزدیک عمرؓ سے زیادہ افضل ہوگے[2] تاہم حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان مشکلات کی کچھ پروا نہ کی اور اپنا نظامِ حکومت اسی بنیاد پر قائم کیا۔ جس پر عہد خلافت راشدہ میں قائم ہو چکا تھا۔ اسی بنا پر بعض محدثین نے ان کو اسی سلسلے کی ایک کڑی خیال کیا ہے۔ چنانچہ امام سفیان ثوری کا قول ہے کہ خلفاء پانچ ہیں۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ اور عمر بن عبدالعزیزؓ۔[3]

(۲) ان کی خلافت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے جمہوریت کی روح کو جو بالکل مردہ ہوگئی تھی۔ از سرِ نو زندہ کیا۔ ان کے اخلاق و عادات میں اگرچہ خلافت کے بعد انقلاب پیدا ہوا۔ تاہم ان کی طبیعت ابتدا ہی سے جمہوریت پسند واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ جب وہ ولید کی طرف سے مدینہ کے گورنر مقرر ہو کر آئے تو مدینہ کے فقہاء میں عروہ بن زبیر۔ عبیداللہ بن عبداللہ ابن عتبہ۔ ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث۔ ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ۔ سلیمان بن یسار۔ قاسم ابن محمد۔ سالم بن عبداللہ۔ عبداللہ بن عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور خارجہ بن زید ابن ثابت کو طلب کیا۔ اور کہا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایک ایسے کام کے لیے طلب کیا ہے۔ جس پر آپ کو ثواب ملے گا۔ اور آپ لوگ حق کے معاون قرار پائیں گے۔ میں آپ لوگوں کی رائے کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دینا چاہتا۔ یہ سن کر ان تمام بزرگوں نے ان کو جزائے خیر کی دعا دی[4] خلیفہ ہوئے تو چند منتخب لوگوں کو ندیمِ خاص مقرر کیا جو ان کو تمام ملکی معاملات میں مشورہ دیتے تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۲۷۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۲۳۔ [3] ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی التفضیل۔ [4] طبقات ابن سعد ص ۲۴۶۔

کان لعمر بن عبد العزیز سمار ینظرون فی امور الناس[1]

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے چند مصاحب تھے جو رعایا کے معاملات میں غور کیا کرتے تھے۔

(۲) ان کے دورِ حکومت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے زمانے میں علماء کا رسوخ واقتدار بہت زیادہ ترقی کر گیا۔ وہ ہمیشہ علماء سے مشورہ لیتے تھے۔ علماء سے صحبت رکھتے تھے اور علماء کو مقرب بارگاہ بناتے تھے۔ طبقات میں متعدد علماء کے نام لکھے ہیں جو ان کے خواص میں تھے[2]۔ عدی بن ارطاۃؓ کو جو ہمیشہ شرعی امور میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ لکھا کہ گرمی اور سردی میں تم ہمیشہ ایک مسلمان کو تکلیف دیتے ہو کہ مجھ سے سنت کے متعلق استفسار کرے۔ تم اس طریقہ سے میری عظمت کرتے ہو۔ خدا کی قسم حسن بصری تمھارے لیے کافی ہیں۔ جب یہ خط پہنچے تو میرے لیے اور اپنے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے انہی سے استفسار کیا کرو۔ خداوند تعالیٰ حسن بصری پر رحم کرے کہ وہ اسلام میں ایک بڑے درجہ کے شخص ہیں۔ اور ان کو میرا خط پڑھ کر سناؤ[3]۔

عمال | زمانہ قدیم کا نظامِ سلطنت اس زمانہ کے نظامِ حکومت سے بالکل مختلف تھا۔ آج سلاطین کی شخصیتیں بدل جاتی ہیں، نظامِ حکومت الٹ پلٹ جاتا ہے۔ شخصیت کی جگہ جمہوریت لے لیتی ہے۔ لیکن سلطنت کے اعضاء وجوارح یعنی عمال پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن قدیم زمانے میں سلاطین کی شخصیت کا تغیر وتبدل گویا نظامِ سلطنت کا انقلابِ کلی تھا۔ اور یہ انقلاب حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے دورِ خلافت میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ انھوں نے تختِ حکومت پر متمکن ہونے کے ساتھ ہی ان تمام مفاسد کی اصلاح کرنی چاہی جن کا مادہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ ہی سے روز بروز پختہ ہوتا جاتا تھا۔ لیکن اس کے لیے سب سے بڑی ضرورت ان پرزوں کی تھی جو نہایت نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ سلطنت کی کل کو چلائیں۔ اور ان کے زمانے میں اس قسم کے اجزاء صالحہ تقریباً مفقود ہو چکے تھے۔ ایاس بن معاویہ کا قول ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ایک نہایت تیز دست صناع تھے۔ لیکن ان کے پاس

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؓ ص ۶۳۔ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۹۲۔ [3] سیرت عمر بن عبد العزیزؓ ص ۱۰۱۔

Marfat.com

اوزار نہ تھا۔ جس سے وہ کام لیتے[1]۔ خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو نظر آتا تھا کہ ان کے لئے جس قسم کے اعوان و انصار کی ضرورت ہے۔ وہ سرکاری دفتروں میں نہیں مل سکتے۔ اس لئے وہ اپنی نگاہ کو دور دور تک دوڑاتے تھے۔ اور جہاں کہیں کوئی مرغِ خوش آشیاں نظر آتا تھا اس کو اسی جال میں پھنسانا چاہتے تھے۔ جس میں خود گرفتار ہو چکے تھے۔ سلف صالحین میں سے ایک بزرگ شام میں عزلت گزیں تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو معلوم ہوا تو ان کو لکھا کہ سچے مددگار کہیں نہیں ملتے۔ آپ میری اعانت فرمائیے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں گنہگاروں کی اعانت نہیں کر سکتا۔ تاہم عمالِ سلطنت کا تقرر ضروری تھا۔ اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے تختِ حکومت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی مختلف اشخاص کو ذمہ داری کے مختلف عہدے دیئے جن کے نام کی تفصیل حسب ذیل ہے[2]

ابوبکر بن محمد بن حزم	سلیمان بن عبدالملک نے ان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بھی ان کو اس عہدہ پر قائم رکھا۔
عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب	ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔
عدی بن ارطاۃ	ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔
عروہ بن محمد بن عطیہ السعدی	ان کو یمن کا گورنر مقرر کیا۔
عدی بن عدی الکندی	ان کو جزیرہ کا گورنر مقرر کیا۔
اسماعیل بن عبیداللہ بن ابی المہاجر	ان کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا۔
محمد بن سوید الفہری	ان کو دمشق کا گورنر مقرر کیا۔
جراح بن عبداللہ الحکمی[3]	ان کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔

۱؎ تاریخ الخلفاء ص ۲۰۴۔ ۲؎ سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۴۱۔ ۳؎ طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۵۱۔

Marfat.com

لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے عہدے اور بہت سے اشخاص تھے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نظامِ سلطنت کے لیے ضروری نہ تھے۔ مثلاً ان میں بہت سے چوبدار اور پہرے دار تھے۔ جن کا وجود سلاطین کی شان و شوکت اور ذاتی مصالح کے لحاظ سے ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں ان کی تعداد چھ سو تھی۔ جن میں تین سو پولیس سے تعلق رکھتے تھے۔ اور تین سو پہرہ دار تھے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو زہد و تقشف نے اس قسم کی شان و شوکت کے اظہار سے بے نیاز اور توکل علی اللہ نے ہر قسم کے خطرات سے نڈر کر دیا تھا۔ اس لیے انھوں نے ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ "میں تم سے بے نیاز ہوں، تقدیر میری محافظ اور موت میری نگہبان ہے، تاہم ان کو بالکل موقوف کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ اس بنار پر حکم دیا کہ جو شخص رہنا چاہے۔ اس کو دس دینار تنخواہ ملے گی۔ اور جو شخص قطع تعلق کرنا چاہے۔ وہ قطع تعلق کر سکتا ہے[1]

شخصی حیثیت سے انھوں نے صرف خالد بن ریان کو موقوف کیا جو جلاد تھا اور خلفاء کے سامنے ہمیشہ تلوار لیے ہوئے کھڑا رہتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس کی قساوتِ قلب کا پہلے سے ذاتی تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے خلیفہ ہونے کے بعد خالد حسب معمول تلوار لے کر سامنے کھڑا ہوا۔ تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ یہ تلوار رکھ دو۔ خداوندا میں تیرے لیے خالد کو پست کرتا ہوں۔ اس کو تو کبھی بلند نہ کرنا۔ خالد کی موقوفی کے بعد اس کی جگہ پر عمرو بن مہاجر الانصاری کو مقرر کیا۔ جو نہایت مذہبی شخص تھا۔[2] عمال کے عزل و نصب کا دارو مدار جن اصول پر تھا ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) کوئی شخص جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قرابت دار ہوتا اس کو کبھی عامل مقرر نہیں کرتے تھے۔ بیٹے سے زیادہ کون عزیز ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان میں سے کسی کو کوئی عہدہ نہیں دیا۔ ایک بار تمام بیٹوں کو جمع کر کے پوچھا کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ میں تم میں ہر

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۹۸۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۴۰۔

Marfat.com

ایک کو ایک ایک صوبہ کا گورنر کردوں اور تم چلو تو تمھارے ساتھ ڈاک کا گھنگھرو بجتا چلے۔ ایک لڑکے نے کہا جو کام آپ کو کرنا نہیں ہے۔ اس کا سوال کیوں کرتے ہیں؟ بولے تم دیکھتے ہو کہ میرا یہ فرش پرانا ہو چلا ہے۔ لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم اس کو اپنے موزوں سے میلا کرو۔ پھر تم کو اپنا دین کیوں کر حوالہ کردوں کہ ہر صوبہ میں اس کو گرد آلود کرو۔[۱]

ایک بار جراح بن عبداللہ الحکمی نے عبداللہ بن اہتم کو عامل مقرر کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو خبر ہوئی تو لکھا کہ اس کو موقوف کر دو۔ کیونکہ اور باتوں کے علاوہ وہ خود امیر المومنین کا رشتہ دار ہے۔[۲]

(۲) جو لوگ کسی عہدے کے خواستگار ہوتے تھے۔ ان کو وہ عہدہ نہیں دیتے تھے۔ اور جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی تھی۔ ایک بار دو بھائی یعنی بلال بن ابی بردہ اور عبداللہ بن ابی بردہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دونوں نے اپنی مسجد میں اذان دینے کے متعلق مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو ان کی نسبت بدگمانی پیدا ہوئی۔ ایک اور شخص کو خفیہ طور پر مقرر کیا کہ ان سے جا کر کہے کہ اگر میں امیر المومنین سے کہہ کر تم دونوں کو عراق کی گورنری دلا دوں تو مجھے کیا دوگے؟ اس نے بلال سے جا کر پوچھا تو اس نے ایک لاکھ دینے کا وعدہ کیا۔ آدمی نے آکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو خبر کی تو عبدالحمید بن عبدالرحمٰن گورنر عراق کو لکھ بھیجا کہ نہ بلال یعنی بُرے بلال کو کوئی عہدہ دو نہ آل موسیٰ کو۔[۳]

(۳) جو لوگ سفّاک اور ظالم ہوتے تھے۔ ان کو بھی کوئی عہدہ نہیں دیتے تھے۔ ایک بار جراح بن عبداللہ الحکمی نے عمارہ کو عامل مقرر کیا۔ تو انھوں نے لکھا کہ مجھ کو نہ عمارہ کی ضرورت ہے نہ عمارہ کی مار پیٹ کی۔ نہ اس شخص کی جس نے اپنے ہاتھ کو مسلمانوں کے خون سے رنگین

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۷،۴۷، تاریخ الخلفاء میں ہے کہ یہ سوال انھوں نے خاندان بنوامیہ کے چند افراد سے کیا تھا، ممکن ہے کہ لڑکے بھی اس میں شامل ہوں۔ [۲] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۸۶۔ [۳] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۹۲۔

Marfat.com

کیا ہے۔ اس لیے اس کو معزول کر دو۔[1] خود جراح اور یزید بن مہلب کی معزولی کا سبب بھی یہی ظلم و عدوان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حجاج کے ملازموں اور اس قبیلہ کے لوگوں کو کوئی جگہ نہیں دیتے تھے۔ ابومسلم جو حجاج کا جلاد اور اس کا ہم قبیلہ تھا ایک فوج میں شریک ہوا۔ تو انھوں نے اس کو واپس بلا لیا۔ اسی طرح اور ایک شخص کو کوئی عہدہ دیا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حجاج کا عامل رہ چکا ہے تو اس کو موقوف کر دیا۔ اس نے معذرت کی کہ میں نے حجاج کی ماتحتی میں بہت کم کام کیا ہے۔ بولے بری صحبت ایک دن کی بھی بہت ہوتی ہے[2]

(۴) عمال کے تقرر میں صرف لحاظ رکھتے تھے کہ قرآن و حدیث کا عالم ہو۔ چنانچہ اس وصف کو پیش نظر رکھ کر انھوں نے تمام عمال کے نام ایک عام فرمان بھیجا کہ اہلِ قرآن کے سوا اور کوئی شخص کسی عہدے پر مامور نہ کیا جائے۔ لیکن تمام عمال کی طرف سے جواب آیا کہ ہم نے اہلِ قرآن سے کام لیا مگر وہ خائن نکلے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اب بھی اس پر اصرار رہا اور لکھا کہ خبردار مجھے یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ تم نے اہلِ قرآن کے سوا اور کسی کو عامل بنایا ہے۔ اگر اہل قرآن میں بھلائی نہیں ہے۔ تو دوسروں میں تو اور نہ ہوگی۔[3]

(۵) لیکن ان کے علاوہ جس شخص میں مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے کوئی خوبی پاتے تھے اس کو حکومت کی کل میں لگانا چاہتے تھے۔ ان کے زمانۂ خلافت سے پہلے سلیمان بن عبدالملک کے پاس اہلِ مصر کا ایک وفد آیا تھا۔ جس میں ایک شخص ابن خذامر نامی بھی شریک تھا۔ سلیمان نے ان لوگوں سے اہل مغرب کے بعض حالات پوچھے۔ اور ابن خذامر کے سوا سب نے وہاں کے حالات بیان کئے۔ وفد رخصت ہوا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ابن خذامر سے خاموشی کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ جھوٹ بولتے ہوئے مجھے خدا کا خوف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس واقعہ کو یاد رکھا۔ یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو اس کو مصر کا قاضی مقرر کیا۔[4]

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۸۶۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۸۹۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۰۰۔ [4] کتاب ولاۃ مصر ص ۳۸۸۔

وہ تمام اخلاقی اوصاف میں سب سے زیادہ دیانت کا لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ فوج کے عرفا کی جانچ پڑتال کرو۔ جو شخص امین ہو اس کو رکھو اور جس کی امانت پر تم کو اعتماد نہ ہو اس کی جگہ دوسرے شخص کو مقرر کرو۔ لیکن امانت اور پرہیزگاری پر سب سے زیادہ نظر رہے۔[1] قضات کے لیے اور سخت شرائط لگاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ قاضی میں پانچ خوبیاں ہونی چاہئیں۔ سنت نبویہ کا عالم ہو۔ حلیم ہو۔ جلد باز نہ ہو۔ پاک دامن ہو۔ اور مشورہ لینے والا ہو۔[2]

(۶) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اگرچہ خود اس قدر متقشف تھے کہ روزانہ دو درہم ان کے لیے کافی ہوتا تھا۔ لیکن عمال کی تنخواہیں نہایت فیاضی کے ساتھ مقرر کی تھیں۔ چنانچہ ایک بار کسی نے معترضانہ لہجہ میں ان سے کہا کہ آپ عمال کو سو سو اشرفیاں دو دو سو اشرفیاں بلکہ اس سے بھی زیادہ تنخواہ کس بنا پر دیتے ہیں۔ بولے کہ "وہ کتاب وسنت پر عمل کریں تو یہ بہت کم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کو معاش اور اہل وعیال کے جھگڑوں سے فارغ کر دوں[3]

(۷) اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شخصیت صالحہ نے جیسا کہ میمون بن مہران نے ان کو یقین دلایا تھا[4]۔ ان کے تخت حکومت کے گرد بہترین اشخاص لاکر جمع کر دیئے تھے۔ لیکن یہ تمام شخصیتیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کا وجود ظلّی تھیں۔ اور ان ہی کے اشاروں سے یہ تمام پرزے حرکت کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قاعدہ تھا کہ بات بات پر عمال کو ہدایتیں کرتے رہتے تھے۔ احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ان کو کام کرنے کی ترغیب و ترہیب دیتے رہتے تھے۔ اس لیے طبائع پر خواہ مخواہ ان کا اخلاقی اثر پڑتا تھا۔ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم دن کی طرح

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۹۳۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۲۸۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۲۴۔ [4] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو جب قابل اعتماد اعوان و انصار کی جستجو ہوئی تو میمون بن مہران نے کہا کہ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ آپ ایک بازار ہیں اور بازار میں وہی مال آتا ہے جو چلتا ہے۔ اس لیے جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ آپ کے یہاں صرف کھرا مال چلتا ہے تو سب کے سب کھرا مال لے کر آئیں گے۔ (طبقات ص ۲۹۱)

Marfat.com

رات کو بھی کام کرتے تھے۔ اور یہ صرف حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی ترغیب و تحریض کا اثر تھا۔[1]
ایک بار ایک عامل نے ان کی خدمت میں کوئی شکایت کی۔ انھوں نے اس کو ایک ایسا موثر خط لکھا کہ وہ اپنے عہدے کو چھوڑ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ کا خط پڑھ کر دل کانپنے لگا۔ اب میں اپنی خدمت پر کبھی نہ جاؤں گا۔[2]

محدث ابن جوزی نے ان تمام احکام و فرامین کو ایک مستقل باب میں جمع کر دیا ہے۔ جن میں اگرچہ نہایت جزئی جزئی ہدایتیں شامل ہیں۔ لیکن اہم امور حسب ذیل ہیں۔

(۱) احیائے سنت۔ امحائے بدعت اور تقسیم وظائف کی طرف ان کی اس قدر توجہ تھی کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا جو خط آتا تھا۔ اس میں ان تینوں میں سے کسی نہ کسی چیز کی ہدایت ضرور ہوتی تھی۔[3]

(۲) عمال کو سخت تاکید تھی کہ حجاج کی روش اختیار نہ کریں۔ ایک بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ میں تمھیں حجاج کی روش سے روکتا ہوں۔ کیوں کہ حجاج ایک مصیبت تھا۔ ایک قوم نے اپنے عمل سے اس کی غلط کاریوں کی موافقت کی۔ اس لیے اپنے زمانے میں اس نے جو چاہا کیا۔ لیکن اب وہ زمانہ گزر گیا اور خدا کی سلامتی پھر واپس آگئی۔ اگر وہ صرف ایک ہی دن رہے تب بھی یہ خدا کا عطیہ ہوگا۔ میں نے نماز کے متعلق اس کی تقلید سے روکا ہے۔ کیوں کہ وہ وقت میں تاخیر کرتا تھا۔ میں نے زکوٰۃ کے متعلق اس کی تقلید سے روکا ہے۔ کیوں کہ وہ بے محل لیتا تھا۔ اور بے محل صرف کرتا تھا۔

ایک اور عامل نے ذمیوں کے کھلیانوں کی حد بندی کی تو اس کو لکھا کہ ایسا نہ کرو۔ یہ حجاج کا طریقہ تھا اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔[4]

(۳) تمام عمال کو عدل و انصاف کا سخت تاکیدی حکم تھا۔ ایک عامل نے لکھا کہ ہمارا شہر

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۵۶۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۰۔
[3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۸۱۔ [4] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۸۸۔

Marfat.com

ویران ہوگیا ہے۔ کچھ مال مرحمت فرمایئے کہ اس کی مرمت کریں۔ اس کے جواب میں لکھا کہ اس کو عدل سے قلعہ کرو۔ ظلم سے اس کے راستوں کو صاف کرو۔ یہی اس کی مرمت ہے[1]

ایک عامل کو لکھا کہ مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ خشک، ان کے مال سے اپنا پیٹ خالی۔ اور ان کی عزت سے اپنی زبان کو محفوظ رکھو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم پر کوئی اعتراض نہیں۔ اعتراض اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں[2]

ایک عامل کو لکھا کہ تم سے پہلے لوگوں نے جس قدر ظلم کیا ہے۔ اگر تم اتنا انصاف، احسان اور اصلاح کر سکو تو کرو[3]

(۴) لیکن ان کو صرف ان ہدایات پر قناعت نہ تھی۔ بلکہ مناسب طریقوں سے وہ عمال کے طرزِ عمل کی تحقیقات بھی کرتے رہتے تھے کہ جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ پائیں۔ ریاح ابن عبیدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار ان سے کہا کہ عراق میں جائداد اور میرے اہل وعیال ہیں اگر اجازت ہو تو میں ان کو دیکھ آؤں۔ انھوں نے اصرار کے بعد اجازت دے دی۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو میں نے کہا کہ اگر آپ کی کوئی ضرورت ہو تو ارشاد فرمایئے۔ بولے میری ضرورت صرف یہ ہے کہ اہل عراق اور ان کے ساتھ حکام وعمال کے طرزِ عمل کے متعلق حالات دریافت کرو۔ میں نے لوگوں سے اس کے متعلق سوال کیا۔ تو سب کو عمال کا مداح پایا۔ واپس آکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو اس کی اطلاع دی تو انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ "اگر تم نے اس کے خلاف خبر دی ہوتی تو میں ان کو معزول کر دیتا"[4] لیکن اس کے باوجود اس دار و گیر کے وہ عمال کو عملاً کسی قسم کی سزا دینا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ان سے اس کے متعلق استمزاج کیا گیا تو بولے کہ یہ مجھے پسند ہے کہ عمال خدا کے پاس اپنی اپنی حاجتیں لے جائیں لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں خدا کے پاس ان کے خون کا بوجھ اپنی گردن پر لے کے جاؤں[5]

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۹۰۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۹۴۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۳۸۳۔ [4] کتاب الخراج ص ۶۸۔ [5] طبقات ابن سعد ص ۲۷۷

Marfat.com

ذِمّیوں کے حقوق | ذِمّیوں کے حقوق کی نگہداشت حسب ذیل طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

(۱) ان کی جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ اور اسی طرح کی جائے جس طرح مسلمانوں کی کی جا سکتی ہے۔

(۲) ان کی مذہبی عمارتیں محفوظ رکھی جائیں اور ان کے مذہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کی جائے۔

(۳) جزیہ کی وصولی میں کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے۔ بلکہ ہر قسم کی رعایتیں کی جائیں۔

(۴) عام حقوق میں ان پر مسلمانوں کو کسی قسم کا تفوق و امتیاز حاصل نہ ہو بلکہ وہ مسلمانوں کے مساوی قرار دیئے جائیں۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جس طرح ان تمام چیزوں کی نگہداشت کی اس کی نظیر خلافت راشدہ کے سوا اور خلفاء کے دور میں بہ مشکل مل سکتی ہے۔ انھوں نے ذِمّیوں کی جان کی حفاظت میں خاندانی تعلقات کی بھی پروا نہیں کی۔ چنانچہ جب انھوں نے اموال مغصوبہ کو واپس کرنا شروع کیا تو حمص کے ایک بوڑھے ذِمّی نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے امیرالمومنین عباس بن ولید بن عبدالملک نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ عباس بھی وہیں موجود تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ اس نے کہا کہ اس کو ولید نے مجھے جاگیر میں دیا ہے۔ اور میرے پاس اس کی سند بھی ہے۔ اب ذِمّی کی طرف مخاطب ہوئے اس نے کہا میں آپ سے کتاب اللہ کے موافق فیصلہ چاہتا ہوں۔ بولے خدا کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے۔ عباس تم اس کی زمین چھوڑ دو[1]

ان کے عہد میں ذِمّیوں کی تمام چیزیں اس قدر محفوظ تھیں۔ کہ ان سے ذرہ برابر بھی تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ایک بار ربیعہ شوذبی نے ایک بنطی کا گھوڑا بیگار میں پکڑا اور اس پر سواری کی تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو ۴۰ کوڑے لگوائے[2]۔ ایک بار ان کے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۰۴-۱۰۵ ۔ [2] ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۷۶

Marfat.com

عامل کو لکڑی کی ضرورت پڑی جو کسی ذمی کے یہاں تھی۔ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے استصواب کیا تو انھوں نے لکھا کہ پوری قیمت لے لو۔[1]

جان جائداد سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ذمیوں کی جان کو ہمیشہ مسلمانوں کی جان کے برابر سمجھا۔ ایک بار کسی مسلمان نے حیرہ کے کسی ذمی کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالے کر دو۔ چاہے وہ قتل کرے۔ چاہے وہ معاف کر دے۔ چنانچہ اس نے قاتل کو اس کے حوالے کر دیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا۔[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے پہلے ذمیوں کے بعض مذہبی حقوق پامال کر دیئے گئے تھے۔ اس بنا پر انھوں نے صرف ان حقوق کی حفاظت ہی نہیں کی بلکہ ان کو نئے سرے سے قائم کیا۔ دمشق میں عیسائیوں کا ایک گرجا تھا۔ جو خاندان بنو نصر کی جاگیر میں آ گیا تھا۔ عیسائیوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں اس کا دعویٰ کیا۔ اور انھوں نے اس کو واپس دلا دیا۔ ایک اور مسلمان نے ایک گرجے کی نسبت دعویٰ کیا کہ وہ اس کی جاگیر میں ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ اگر یہ عیسائیوں کے معاہدے میں داخل ہے تو تم اس کو نہیں پا سکتے۔[3]

دمشق میں عیسائیوں کا سب سے بڑا کنیسہ یوحنا تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ اور عبدالملک ابن مروان نے اس کو بیش قرار قیمت پر لے کر مسجد میں شامل کرنا چاہا۔ لیکن عیسائی راضی نہیں ہوئے۔ ولید نے بھی یہ کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بالآخر اس نے جبراً گرجے کو منہدم کرا کے مسجد میں شامل کر لیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور خلافت آیا تو عیسائیوں نے اس کی واپسی کی درخواست کی اور انھوں نے اس کو واپس کر دیا۔ لیکن تمام مسلمانوں کو اس کا سخت رنج

---

[1] مقریزی ج ۱ ص ۲۹۵۔ [2] نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ص ۳۶۰۔
[3] فتوح البلدان ص ۱۳۰۔

Marfat.com

ہوا۔ اور انھوں نے اس کے عوض میں غوطے کے تمام گرجے ان کے حوالہ کئے۔ اور ان کو مطالبہ سے باز رکھا[1]

جزیہ کی تخفیف اور وصولی میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہمیشہ ذمیوں کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کیا۔ عراق میں جب ابن الاشعث نے حجاج سے بغاوت کی تو اس نے وہاں کے زمینداروں پر اس کی اعانت کا الزام قائم کیا۔ اور ان کے خراج و جزیہ کو بہت زیادہ سخت کر دیا۔ وہ پہلے اپنے جزیہ میں مصالحتہً سالانہ کپڑے دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد جب ان کی آبادی میں کمی واقع ہونا شروع ہوئی تو حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ نے کپڑوں کی تعداد میں کمی کر دی۔ لیکن حجاج نے اس جرم میں اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔ یعنی سالانہ ۸ سو رنگین کپڑے ان پر لازم کر دیئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں ان لوگوں نے اپنے مصائب کا اظہار کیا تو انھوں نے گھٹا کر دو سو کپڑے کر دیئے جن کی قیمت ۸ ہزار درہم تھے[2]

برابرہ کے ممالک میں ایک گاؤں جس کا نام کواتہ تھا۔ وہاں کے باشندوں سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصالحت نامہ میں یہ شرط کر لی تھی کہ عورتوں اور بچوں کو فروخت کر کے انھیں جزیہ ادا کرنا پڑے گا۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عام حکم دے دیا کہ جس کے پاس وہاں کی عورتیں ہوں وہ یا ان کے باپوں سے نکاح کی درخواست کرے یا اُن کو واپس کر دے[3]

ذِمیّوں کے ساتھ جزیہ وغیرہ کی وصولی میں وہ جس قدر نرمی سے کام لیتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ اے امیر المومنین! یہ کیا بات ہے کہ آپ کے زمانے میں بازار کا نرخ نہایت گراں ہے۔ اور دوسرے خلفاء کے زمانے میں ارزاں تھا۔ بولے! وہ لوگ ذِمیّوں کو ناقابل برداشت تکلیفیں دیتے تھے۔ اس لیے جس قدر پر ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے غلہ کو فروخت کر ڈالتے تھے۔ اور میں ہر شخص کو اسی قدر تکلیف دیتا ہوں جس کا وہ متحمل ہو سکے۔ اس لیے ہر شخص جس طرح چاہتا ہے فروخت کرتا ہے[4]

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۳۲۔ [2] فتوح البلدان ص ۴۷۔ [3] فتوح البلدان ص ۲۳۳۔ [4] کتاب الخراج ص ۷۶۔

Marfat.com

عمال کو حکم بھیجتے رہتے تھے کہ ذمیوں کے ساتھ ہر قسم کی اخلاقی رعایتیں کی جائیں۔ چنانچہ ب بار عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ذمیوں کے ساتھ نرمی کرو اور اگر ان میں کوئی شخص بوڑھا ہوجائے اور نادار ہو تو اس کے مصارف کے متکفل بنو۔ اور اگر اس کا کوئی رشتہ دار ہو تو اس کو حکم دو کہ اس ے مصارف برداشت کرے۔ جس طرح تمھارا کوئی غلام بوڑھا ہوجائے تو اس کو آزاد کرنا پڑے یا تادم آخر تک اس کو کھلانا پڑے گا۔[1]

عام حقوق میں انھوں نے ذمیوں اور مسلمانوں کو ہمیشہ ایک صف میں کھڑا کیا۔ ایک بار لمہ بن عبدالملک اور دیر اسحٰق کے چند ذمی ان کے دربار میں فریق مقدمہ کی حیثیت سے ئے تو مسلمہ آکر فرش پر بیٹھ گئے۔ اور ذمی بے چارے کھڑے رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے دیکھا تو بولے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ اگر تمھیں اپنے فریق کے برابر کھڑا ہونا گوارا نہیں ہے۔ کسی کو وکیل کردو۔ مسلمہ نے ایک شخص کو وکیل کردیا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے مقدمہ کو ن کے خلاف فیصل کیا۔[2] اسی طرح جب ہشام بن عبدالملک پر ایک عیسائی نے مقدمہ دائر یا۔ تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کو اپنے فریق کے برابر کھڑا کیا۔ ہشام نے عیسائی کے ساتھ سخت کلامی شروع کی تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ڈانٹا۔ اور سزا دینے کی دھمکی دی۔[3]

قامت عدل | کسی واقعہ کی شہرت کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ اس کے متعلق مبالغہ آمیز وایتیں پیدا ہوجائیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عدل و انصاف کے واقعات اس معیار پر ھیک اترتے ہیں۔ شعرا جب مبالغہ آمیز طور پر کسی بادشاہ کے عدل و انصاف کا ذکر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے زمانے میں بھیڑیا اور بکری ایک ساتھ پانی پیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ بھیڑیا بکری کی چوپانی کرتا ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانے میں اس مبالغہ نے واقعہ

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۸۰۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۷۳ اصل کتاب میں یہ تصریح نہیں کہ یہ لوگ ذمی تھے۔ لیکن ہم نے دیر اسحٰق کی مناسبت سے ان لوگوں کو ذمی قرار دیا ہے۔ [3] رسائل شبلی بحوالہ العیون والحدائق ص ۶۰۔

Marfat.com

کی صورت اختیار کرلی۔ اور اس کے متعلق بہت سی موضوع روایتیں پیدا ہو گئیں۔ چنانچہ موسیٰ بن اعین سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خلافت کے زمانے میں بکریاں چرا تے تھے۔ تو بھیڑیے بھی ان کے ساتھ ساتھ چرتے تھے۔ لیکن ایک رات بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کیا تو میں نے کہا کہ وہ نیک مرد ضرور مرگیا۔ چنانچہ واقعی انھوں نے اسی شب کو انتقال کیا

اب ہم کو تاریخی واقعات کی زبان سے یہ بتانا چاہیے کہ اس مبالغہ میں سچ کا کس قدر حصہ شامل ہے۔

(حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے عہد خلافت سے پہلے

(۱) رعایا کے مال و جائداد پر غاصبانہ قبضہ کرلیا گیا تھا۔

(۲) قبلہ گاہ یعنی بنو ہاشم کے تمام حقوق پامال کر دیئے گئے تھے۔

(۳) نہایت سفاک اور خونریز عمال مقرر کئے گئے تھے۔

(۴) محض ظن وتخمین کی بنا پر رعایا کو سزائیں دی جاتی تھیں۔ اور عورتوں کو مردوں کے بدلے میں گرفتار کیا جاتا تھا۔

(۵) رعایا سے بغیر مزد و اجرت بیگار کی خدمت لی جاتی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے تخت سلطنت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی ان تمام مظالم کی طرف توجہ کی۔ اور عدل و انصاف کا منارہ بلند کیا۔ مورخ یعقوبی لکھتا ہے۔

فکث عمر اعمال اهل بیتهٖ	حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے خاندان
سماها مظالم وکتب الی عماله جمیعا	کا نظام عمل الٹ دیا۔ اور اس کا نام مظالم
اما بعد فان الناس قد	رکھا اور اپنے تمام عمال کو لکھا کہ لوگ احکام
اصابهم بلاء وشدة	الٰہی میں ان بدترین عہدہ داروں کی وجہ
وجور فی احکام الله وسنن	سے جنھوں نے بہت کم انصاف۔ نرمی اور

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۷۰

Marfat.com

سيئة سنها عليهم عمال الشر قلما قصد وقصد الحق والرفق والاحسان[1] — احسان کا ارادہ کیا، مصیبت، سختی اور ظلم میں مبتلا ہو گئے اور انھوں نے بُرے دستور قائم کئے۔

چنانچہ سب سے پہلے انھوں نے رعایا کے حقوق کی طرف توجہ کی اور اموالِ مغصوبہ کو واپس دلایا۔ جس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

خاندان نبوت کے حقوق کی پامالی کا آغاز حضرت امیر معاویہؓ ہی کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ چنانچہ فدک جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھا۔ اور جس سے آپ بنو ہاشم کی اعانت کرتے تھے۔ اس کو انھوں نے مروان کی جاگیر میں دے دیا تھا[2] خمس جو خالص بنو ہاشم کا حق تھا، اس کو بھی انھوں نے روک دیا تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ولید اور سلیمان بن عبد الملک کو اپنی خلافت سے پہلے اس طرف توجہ بھی دلائی۔ لیکن دونوں نے انکار کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا دور آیا تو انھوں نے اپنے قدیم مشورہ پر عمل کیا۔ فدک کا نصف حصہ اگرچہ وراثتہً خود ان کی ملک میں آگیا تھا۔ لیکن ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ یہ میرے لیے جائز نہیں ہے۔ میری رائے ہے کہ عہد نبوت۔ عہد ابوبکرؓ۔ عہد عمرؓ اور عہد عثمانؓ میں اس کی جو حالت تھی۔ اس پر اس کو واپس لاؤں۔ اور بعد کو جو کچھ ہوا ہو اس کو چھوڑ دوں۔ خمس کے متعلق بھی تحقیقات کی اور پانچ ہزار دینار ابوبکر بن حزم کے پاس بھیجے اور لکھا کہ اس میں پانچ ہزار اور ملا کر بنو ہاشم کے مرد۔ عورت۔ چھوٹے بڑے سب کو برابر دے دو۔ اگرچہ زید بن حسن سخت برہم ہوئے کہ ہم کو لونڈوں کے برابر کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اس کی کچھ پروا نہیں کی۔

عبد اللہ بن محمد بن عقیل سے ایک روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے پہلا مال خمس اہل بیت پر تقسیم کیا۔ اس میں مرد، عورت اور بچے سب کے سب برابر شریک تھے اور ہر ایک کو تین تین ہزار اشرفیاں ملیں۔ انھوں نے اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ اگر میں زندہ رہا تو

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۶ - [2] یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۲ -

Marfat.com

تمہارے تمام حقوق تم کو دوں گا۔

خاندان نبوت پر اس کا نہایت عمدہ اثر ہوا اور وہ ان کے پُرجوش حامی بن گئے چنانچہ ایک بار علی بن عبداللہ بن عباسؓ اور ابو جعفر بن علی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی غیبت شروع کی۔ ان لوگوں نے منع کیا اور کہا کہ امیر معاویہؓ کے زمانے سے آج تک ہم کو خمس نہیں ملتا تھا۔ لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنو عبدالمطلب پر اس کو تقسیم کیا۔

حضرت فاطمہ بنت حسینؓ نے ان کو نہایت شکر گزاری کے ساتھ ایک خط میں کہ امیرالمومنین نے ائمہ راشدین مہدیئین کی سنت کے اتباع میں ہم کو جو مال بھیجا وہ پہنچا۔ اور ہم پر تقسیم ہوا خداوند تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ ہم پر ظلم کیا گیا تھا۔ اور ضرورت تھی کہ ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے، اے امیرالمومنین میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جس کے پاس خادم نہ تھا اس کو خادم مل گیا۔ جس کے پاس کپڑا نہ تھا اس کو کپڑا مل گیا اور جس کے پاس خرچ نہ تھا اس کو خرچ مل گیا۔

قاصد یہ خط لے کر اُن کے پاس آیا تو نہایت مسرور ہوئے۔ خدا کا شکر ادا کیا اور اس کو دس اشرفیاں دیں اور فاطمہ کی خدمت میں پانچ سو اشرفیاں اور بھیجیں۔ اور لکھا کہ اس کو اپنی ضروریات میں صرف کیجیے۔[1]

عمال میں حجاج بن یوسف، ولید کے زمانے میں سب سے زیادہ مقبول بارگاہ تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس کو بدترین خلائق سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن دنیا کی تمام قومیں خباثت میں مقابلہ کریں۔ اور ہر قوم اپنے اپنے خبیث کو مقابلہ میں لائے۔ تو ہم حجاج کو پیش کر کے تمام دنیا پر غالب ہو جائیں گے[2] اگرچہ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خوش قسمتی تھی کہ سلیمان ابن عبدالملک نے حجاج کے تمام مقرر کردہ عمال کو معزول کر کے[3] اس

---

[1] تمام تفصیل طبقات ابن سعد ص ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ میں ہے۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۸۹

[3] تاریخ الخلفا ص ۲۲۶۔

Marfat.com

کے جابرانہ اقتدار کو بہت کچھ مٹا دیا تھا۔ تاہم اب تک اس کے ظلم و ستم کی جو یادگاریں باقی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان کا بھی خاتمہ کر دیا۔ حجاج کے تمام خاندان کو یمن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آلِ ابو عقیل کو بھیجتا ہوں۔ عرب میں یہ بدترین خاندان ہے۔ ان کو اپنی حکومت میں اِدھر اُدھر منتشر کر دو[۱]۔ جو لوگ حجاج کے ہم قبیلہ تھے۔ یا ان کی ماتحتی میں کام کر چکے تھے۔ ان کو ہر قسم کی ملکی خدمات سے محروم کر دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔

سیاست کا تمام تر دارومدار سوءِ ظن پر ہے۔ اس لئے ظلم پیشہ سلطنتیں ہمیشہ ذرا ذرا سی بدگمانی پر رعایا کو سزائیں دیتی ہیں۔ جو سب سے بڑا ظلم ہے۔ خلفائے بنو امیہ میں مورخ یعقوبی کے بیان کے مطابق ولید نے اس کی ابتدا کی اور محض ظن و تخمین کی بنا پر مجرموں کو قتل کی سزائیں دیں[۲]۔ لیکن مورخ طبری نے اولیت کا شرف زیاد کو بخشا ہے۔ بہرحال حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانہ خلافت سے پہلے اس ظلم کی ابتدا ہو چکی تھی۔ اور سینکڑوں آدمی اپنے وہمی جرائم کی پاداش میں تہ تیغ ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز اور خلافِ سنت قرار دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

بیگاری کا جو طریقہ جاری تھا۔ نہایت سختی کے ساتھ اُس کا انسداد کیا۔ ایک افسر ان کی خدمت میں بیگار کی سواری میں آیا تو بولے کہ میری حکومت میں تم بیگار پکڑتے ہو۔ اس کے بعد اس کو چالیس کوڑے لگوائے[۳]۔

رعایا کی خوشحالی مذہب۔ حکومت۔ اخلاق۔ قانون، غرض تمام اجتماعی چیزوں کا آخری نتیجہ صرف یہ ہے کہ دنیا فراغ بالی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ اور اس نتیجہ کے لحاظ سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا دورِ حکومت دنیا کے کل بادشاہوں سے زیادہ کامیاب رہا۔

جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتمؓ سے ایک پیشین گوئی کی تھی

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۹۰۔ [۲] یعقوبی ج ۲ ص ۳۴۸۔ [۳] طبقات ابن سعد ص ۲۷۶۔

جس کے الفاظ یہ ہیں۔

یاعدی هل رایت الحیرة قلت	کیوں عدی! تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟ میں
لم ارها وقد انبئت عنها قال	نے کہا دیکھا نہیں ہے سنا ہے فرمایا تو اگر کچھ
فان طالت بك حياة لترين	دنوں اور زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک ہودج
الظعينة ترتحل من الحيرة	نشین عورت حیرہ سے سفر کر کے آئے گی اور
حتى تطوف بالكعبة لا تخاف	خانہ کعبہ کا طواف کرے گی۔ اور خدا کے سوا
احدا الا الله	اس کو کسی کا ڈر نہ ہوگا ...
ولئن طالت بك حياة لتفتحن	اگر تم کچھ دنوں زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ
كنوز كسرى .. .. ولئن	کے خزانے مفتوح ہو گئے.... اگر تم کچھ
طالت بك حياة لترين الرجل	دنوں زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص
تخرج ملء كفه من ذهب او	مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر اُس شخص کی
فضة يطلب من يقبله منه فلا	تلاش میں نکلے گا جو اس کو قبول کرلے لیکن
يجد احدا يقبله منه .	اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ملے گا۔

عدی بن حاتم کی زندگی ہی میں اوپر کی دو پیشین گوئیاں پوری ہو چکی تھیں۔ لیکن تیسری پیشین گوئی ان کے سامنے نہیں پوری ہوئی۔ اور انھوں نے اس کی صداقت کو آئندہ نسل کے لیے چھوڑ دیا۔ اس بنا پر محدثین میں اختلاف ہے کہ یہ پیشین گوئی کب پوری ہوگی؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا زمانہ نزول عیسٰی کے بعد آئے گا۔ لیکن بیہقی کے نزدیک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں یہ پیشین گوئی پوری ہو چکی۔ چنانچہ انھوں نے دلائل میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صرف ڈھائی برس خلافت کی۔ لیکن اسی مختصر زمانے میں یہ حالت ہو گئی کہ لوگ ان کے عمال کے پاس بہ کثرت مال لے کر آتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ فقراء کو دے دو۔ لیکن ان کو اپنا مال واپس لے کر جانا پڑتا تھا۔ کیوں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام

Marfat.com

لوگوں کو اس قدر مالا مال کر دیا تھا کہ کوئی شخص اس قابل نہیں ملتا تھا کہ اس کو یہ مال دیا جائے۔ اور حافظ ابن حجر نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ کیوں کہ آپ نے عدی بن حاتم سے فرمایا تھا۔

لئن طالت بك حياة ، اگر تم کچھ دنوں زندہ رہے۔

اور وہ نزول عیسٰی کے زمانے تک کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔[1]

تاریخی واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ طبقات ابن سعد میں محمد بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے حکم دیا کہ مستحقین پر صدقہ تقسیم کیا جائے۔ لیکن میں نے دوسرے سال دیکھا کہ جو لوگ صدقہ قبول کرتے تھے وہ صدقہ دینے کے قابل ہو گئے۔[2]

یحیٰی بن سعید کا بیان ہے کہ مجھ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے افریقہ کا صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ میں نے صدقہ وصول کر کے فقراء کو بلایا کہ ان پر تقسیم کر دوں۔ لیکن مجھ کو کوئی فقیر نہیں ملا۔ کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے لوگوں کو دولت مند بنا دیا تھا۔ اس لیے میں نے صدقہ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کر دیئے۔[3]

ایک بار مدینہ سے کوئی شخص آیا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس سے اہل مدینہ کے حالات پوچھے اور کہا کہ ان مسکینوں کا کیا حال ہے جو فلاں فلاں جگہ بیٹھتے تھے۔ اس نے کہا کہ اب وہ وہاں سے اُٹھ گئے۔ خدا نے ان کو بے نیاز کر دیا۔ یہ وہ غرباء تھے جو مسافروں کے لیے چارہ بیچتے تھے۔ لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانے میں ان سے چارہ مانگا گیا تو کہا کہ اب ہم کو عمر بن عبدالعزیزؓ کے عطیہ نے اس تجارت سے بالکل بے نیاز کر دیا۔[4]

ان کے زمانے میں رعایا کی یہ خوشحالی اس درجہ کو پہنچ گئی کہ ان کے عمال کو خوف پیدا ہوا کہ لوگ دولت کے نشے میں کہیں حدِ اعتدال سے گزر کر کبر و نخوت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ چنانچہ عدی بن ارطاۃ نے ان کو لکھا کہ اہل بصرہ اس قدر خوشحال ہو گئے ہیں کہ مجھے خوف ہے

---

[1] فتح الباری ج ۲ ص ۴۵۱۔ [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۵۶۔ [3] سیرت ابن عبدالحکم ص ۶۹۔ [4] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۷۶۔

Marfat.com

کہ وہ فخر وغرور نہ کرنے لگیں۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جواب دیا کہ خدا نے جب اہلِ جنّت کو جنت میں داخل کیا تو ان کے لیے یہ پسند کیا کہ وہ الحمد اللہ کہیں۔ اس لیے تم بھی لوگوں کو حکم دو کہ خدا کا شکر بجا لائیں[1]

ان واقعات کے پیشِ نظر رکھنے کے بعد ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس عام خوشحالی کے اسباب کیا تھے۔ لیکن ہم کو ان اسباب کی جستجو میں بہت زیادہ کدوکاوش کی ضرورت نہیں۔ وہ اس کثرت سے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے سوانح زندگی جہاں سے اٹھا کر پڑھو۔ ان میں کوئی نہ کوئی سبب ضرور نظر آئے گا۔

(۱) اسلامی خلافت میں ملک کی خوشحالی کا تمام تر دارومدار بیت المال پر تھا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بیت المال کا دروازہ تمام قوم کے لیے کھول دیا تھا۔ اس سے امیر وغریب سب یکساں طور پر متمتع ہوتے تھے۔ ایک بار ایک شخص کو رقہ میں تقسیم مال کے لیے بھیجا تو اس نے کہا کہ آپ مجھے ایسی جگہ بھیجتے ہیں۔ جہاں میں کسی کو نہیں پہچانتا۔ حالانکہ ان میں امیر وغریب ہر قسم کے لوگ ہیں۔ بولے جو شخص تمھارے سامنے ہاتھ پھیلائے اس کو دو[2]

اپاہجوں کے وظائف مقرر کیے[3] اور اس پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ جو عامل اس کی خلاف ورزی کرتا تھا وہ معتوب ہوتا تھا۔ ایک بار دمشق کے بیت المال سے ایک اپاہج کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔ تو ایک عامل نے کہا کہ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ سلوک تو کیا جاسکتا ہے لیکن صحیح آدمی کے برابر وظیفہ نہیں مقرر کیا جاسکتا۔ لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو انھوں نے اس پر اپنا عتاب ظاہر فرمایا[4]

ملک میں جتنے مسلمان تھے ان میں بچے بچے کا وظیفہ مقرر کیا۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ میں سنہ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوا تو میری دایہ مجھ کو ابوبکر بن حزم کی خدمت میں لے گئی۔ اور انھوں نے

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۸۲۔ [2] زرقانی شرح موطا ج ۴ ص ۲۳۷۔
[3] اصابہ تذکرہ عرام بن المنذر۔ [4] طبقات ابن سعد ص ۲۸۱۔

Marfat.com

مجھ کو ایک دینار دیا۔ ہیثم بن واقد کہتے ہیں کہ میں ۹۷ھ میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ خلیفہ ہوئے اور مجھے ان کی خلافت میں تین دینار بطور وظیفہ سالانہ کے ملے[1]

یہ وظائف تمام لوگوں کو مساویانہ طور پر ملتے تھے[2]۔ یہاں تک کہ جو لوگ ہمیشہ سے تفوق و امتیاز کے خوگر تھے۔ وہ اس مساوات کو دیکھ کر اُن سے بالکل الگ ہو گئے[3]۔ عرب اور موالی میں ہر قسم کے عطیہ میں مساوات تھی۔ صرف آزاد شدہ غلاموں کے وظائف میں کچھ فرق تھا۔ یعنی وہ ۲۵ اشرفیاں پاتے تھے[4]

وظائف میں معتد بہ اضافہ بھی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک بار اس میں دس دس دینار یا درہم کا اضافہ کیا۔ اور اس سے عرب اور موالی دونوں یکساں طور پر متمتع ہوئے[5]

اس فیاضانہ طرزِ عمل سے بیت المال کو سخت نقصان پہنچا۔ چنانچہ بعض عمال نے ان کو اس طرف توجہ دلائی۔ لیکن انھوں نے اس کی کچھ پروا نہیں کی۔ اور ان کو لکھا کہ جب تک خزانے میں روپیہ ہے دیئے چلے جاؤ۔ جب کچھ نہ رہے گا تو اس میں کوڑا کرکٹ بھر دو[6]

وظائف و عطایا کے علاوہ غربار کی امداد و اعانت کے مختلف طریقے قائم کیے۔

(۱) ایک عام لنگرخانہ قائم کیا جس سے فقراء و مساکین کو برابر کھانا ملتا تھا[7]

(۲) تمام لوگوں کے لیے مساویانہ طور پر غلّہ مقرر کیا۔ جو فی کس ساڑھے چار اردب ملتا تھا۔[8]

(۳) غربا کے پاس جو کھوٹے سکے ہوتے تھے ان کی نسبت بیت المال کے افسروں کو لکھا کہ اگر یہ لوگ ان سکوں کو بدلنا چاہیں تو کھرے سکوں سے بدل دیئے جائیں[9]

(۴) بیت المال میں ایک خاص مد قائم کی جس سے قرض داروں کا قرض ادا کیا جاتا تھا[10]

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۵۵۔ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۵۴۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۴۷۔
[4] طبقات ص ۲۷۷۔ [5] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۸۷۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ اس اضافہ سے اہلِ عراق محروم رہے۔ [6] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۸۵۔ [7] طبقات ص ۲۷۹۔ [8] طبقات ص ۲۵۵۔
[9] سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۹۰۔ [10] طبقات ص ۲۵۷۔

Marfat.com

(۵) قیدیوں کا وظیفہ مقرر فرمایا[1]

(۶) جن لوگوں کے وظائف کسی جرم یا کسی سبب سے روک دیئے گئے۔ ان کو تمام بقایا وظیفہ دے دیا گیا[2]

(۲) دوسرے خلفاء کے زمانہ میں ملک کی غربت و افلاس کا بڑا سبب یہ تھا کہ خلفاء و عمال دوسروں کے مال و جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے تھے۔ اور وہ ہمیشہ کے لیے ان کی ملک ہو جاتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے جیسا کہ اوپر گزرا ان تمام لوگوں کی جائدادیں واپس کر دیں۔ بلکہ اس کے معاوضہ میں خود بیت المال سے بہت سی رقمیں واپس دلوائیں۔ خود ان کے امراء و عمال میں اگر کسی نے اس قسم کی دست درازی کی۔ اور ان کو اس کا علم ہوا تو فوراً مال مغصوبہ کو واپس دلایا۔ ایک بار کسی شخص نے ان کی خدمت میں شکایت کی کہ آذربیجان کے عامل نے ظلماً میرے ۱۲ ہزار درہم لے لیے۔ اور اس کو بیت المال میں داخل کر دیا۔ تو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ اس کو فوراً یہ رقم واپس دلا دی جائے۔ ایک بار ایک شخص نے شکایت کی کہ شاہی فوج کے گزرنے سے اس کی زراعت بالکل پامال ہو گئی۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس کو دس ہزار درہم تاوان دلوایا[3]

(۳) رعایا کو جو کچھ بیت المال سے ملتا تھا۔ اس کے دینے میں تو یہ فیاضی تھی۔ لیکن رعایا سے جو رقم وصول ہو کر بیت المال میں داخل ہوتی تھی۔ اس میں بہت سی رقموں کو بالکل ناجائز قرار دیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

صدقات میں پہلے جو زائد رقمیں وصول کی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے ان تمام رقموں کو معاف کر دیا۔ ایک بار ان کا ایک عامل صدقہ وصول کر کے آیا تو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس کی مقدار پوچھی۔ اس نے مقدار بتائی تو پوچھا کہ تم سے پہلے کس مقدار میں صدقہ وصول ہوتا

[1] طبقات ص ۲۵۷ [2] طبقات ص ۲۵۶۔ [3] سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز ص ۷۵۔ [4] سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز ص

یہ واقعہ اس موقع سے بہت کم مناسبت رکھتا ہے ہم نے استطراداً اس کا تذکرہ کر دیا۔

اس نے اس سے زیادہ مقدار بتائی فرمایا یہ کہاں سے وصول ہوتی تھی۔ اس نے کہا یا امیر المومنین پہلے گھوڑے سے ایک دینار، خادم سے ایک دینار اور فدان سے پانچ درہم وصول کئے جاتے تھے۔ لیکن آپ نے ان رقموں کو بالکل معاف کر دیا۔ فرمایا میں نے معاف نہیں کیا خدا نے معاف کیا۔[۱]

خراج کی وصولی کے متعلق سخت حکم تھا کہ اس میں کسی قسم کا ناجائز طریقہ استعمال نہ کیا جائے۔ چنانچہ میمون بن مہران کو لکھا کہ میں نے مقدمات و تحصیل خراج و جزیہ میں تم کو ظلم کے لیے تکلیف نہیں دی۔ جو کچھ وصول کرو حلال مال سے وصول کرو۔ اور مسلمانوں کے لیے صرف حلال طیب مال جمع کرو۔[۲]

اگر کبھی معلوم ہوتا تھا کہ خراج کی وصولی میں اس قسم کا ناجائز طریقہ اختیار کیا گیا ہے تو سخت دار و گیر کرتے تھے۔ اور اس کی تحقیقات کے لیے اشخاص روانہ کرتے تھے۔ ایک بار معلوم ہوا کہ ایران میں بہت سے عمال پھلوں کا تخمینہ کر کے اس کو نرخِ بازار سے مختلف پر فروخت کرتے ہیں۔ اور اس کے بدلے میں روپیہ لیتے ہیں۔ اور بہت سے کرد راستہ میں لوگوں سے عشر وصول کرتے ہیں تو اس کی تحقیقات کے لیے بشر بن صفوان۔ عبداللہ بن عجلان۔ اور خالد بن سالم کو مقرر فرمایا۔ اور عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوگا تو یہ لوگ ان پھلوں کو جو اس طریقہ سے وصول کئے گئے ہیں واپس کر دیں گے۔ معمولی نرخ کی پابندی کریں گے۔ اور جو خبریں مجھ تک پہنچی ہیں۔ ان سب کی تحقیقات کریں گے۔ تم ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا۔[۳]

ان سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ذِمیّوں سے غیر معمولی سختی کے ساتھ جزیہ وصول کرتے تھے۔ اس لیے وہ پیداوار کو نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کر کے اس شکنجۂ عذاب سے آزاد ہو جاتے تھے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس معاملے میں نہایت آسانیاں کیں۔ اس لیے ان کے زمانے میں پیداوار کا نرخ کسی قدر گراں ہو گیا تھا۔[۴] جس سے ناگزیر طور پر ذمیوں کو مالی فائدہ پہنچا۔

---

[۱] طبقات ص ۲۷۷۔ [۲] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۹۵۔ [۳] طبقات ابن سعد ص ۲۹۰۔ [۴] کتاب الخراج ص ۷۶۔

Marfat.com

اب ملک کی شادابی، سرسبزی اور خوشحالی کے ان اسباب پر مجموعی حیثیت سے غور کر کہ بیت المال کی کل رقم صرف رعایا پر صَرف ہوتی ہے۔ سب کے وظائف مقرر ہوتے ہیں لولے، لنگڑے، بوڑھے بچے، موالی و عرب سب اُس سے یکساں طور پر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وظائف میں اضافے ہوتے رہتے ہیں۔ لنگر خانہ قائم ہوتا ہے۔ تمام قوم کو غلّہ ملتا ہے۔ غریبوں کے کھوٹے سکّے بیت المال سے بدل دیئے جاتے ہیں۔ مغصوبہ جائدادیں رعایا کو واپس ملتی ہیں رعایا کے نقصانات کا تاوان دلایا جاتا ہے۔ مختلف قسم کے گرانبار ٹیکس معاف کر دیئے جا ہیں۔ جزیہ و خراج میں تخفیف ہوتی ہے۔ اور ان کی وصولی کا طریقہ بالکل جائز اور نہایت آسان اختیار کیا جاتا ہے۔ ملک کی پیداوار کا نرخ گراں ہو جاتا ہے تو اس سے صاف معلو ہو جائے گا کہ جس ملک، جس قوم اور جس سلطنت میں یہ سب جمع ہو جائیں گے۔ تو اس میں رفاہ خوشحالی، تمول اور سرسبزی و شادابی کے سوا اور کس چیز کا دور دورہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعز کا عہد سلطنت ان تمام اسباب کا جامع تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشین گو کا جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے۔ مصداق تھا۔

نظامِ حکومت کا انقلاب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے جو عادلانہ نظام حکومت قائم کیا تھا۔ یزید بن عبدالملک نے جو اُن کا جانشین ہوا۔ صرف چالیس دن تک اس کو قائم رکھا۔ اس کے بعد جادۂ اعتدال سے الگ ہو گیا۔[1] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو متدین عمال مقرر کئے تھے۔ یزید نے ان سب کو یک قلم موقوف کر دیا۔[2] نوروز اور مہرجان کے تحفے اور بیگار کی رسم جس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بالکل مٹا دیا تھا۔ دوبارہ قائم کی۔[3] فدک جس کو حضرت عمرؓ بن عبدالعز نے اپنی وراثت سے نکال کر اولاد فاطمہ کو دیا تھا۔ یزید نے اس کو پھر واپس لے لیا۔[4] دمشق ایک گرجا جو بنی نصر کی جاگیر میں آگیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اسے انصاری کو واپس کر

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۷ تذکرہ یزید بن عبدالملک۔ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۳۷۴۔ [3] یعقوبی ج ۲ ص ۶
[4] یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۶۔

تھا۔ لیکن یزید نے اس کو دوبارہ پھر اسی خاندان کو دے دیا۔[1] محمد بن یوسف نے اہل یمن پر ظالمانہ خراج لگایا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کو عشر سے بدل دیا تھا۔ لیکن یزید بن عبدالملک نے اس کو دوبارہ قائم کیا۔[2] حجاج اہل نجران سے جزیہ میں آٹھ سو منقش کپڑے لیتا تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان کے ساتھ تخفیف و رعایت کی اور دو سو کپڑے کر دیئے۔ لیکن یوسف بن عمر بن ولید بن یزید کے زمانے میں جب عراق کا والی ہوا تو اس نے پھر حجاج کا وہی قدیم طریقہ قائم کر دیا۔[3] فرات کے پاس نومسلموں کی جو زمینیں تھیں یا غیر قوموں کی جن زمینوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ حجاج نے ان کو خراجی قرار دیا تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے دوبارہ اس کو عشری قرار دیا۔ لیکن عمر بن ہبیرہ نے اس طریقہ کو بدل دیا۔ اور پھر ان سے خراج وصول کیا۔[4] حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے لوگوں کو قدریہ کے مذہب کے قبول کرنے سے سختی کے ساتھ روکا تھا۔ لیکن جب یزید ابن الولید خلیفہ ہوا تو اس نے اس مذہب کی عام دعوت دی اور غیلان کے رفقاء کو مقرب بارگاہ بنایا۔[5] غرض حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جو نظام سلطنت قائم کیا تھا۔ وہ چند ہی روز میں بالکل درہم برہم ہوگیا۔ اور دنیا نے صرف ڈھائی برس حضرت عمرؓ بن الخطاب کے طرز حکومت سے فائدہ اٹھایا۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۳۰ ۔ [2] فتوح البلدان ص ۱۸۰ ۔ [3] فتوح البلدان ص ۷۴ ۔ [4] فتوح البلدان ص ۲۷۵ ۔
[5] تاریخ الخلفاء ص ۲۵۵ ۔

Marfat.com

مآثر بنی اُمیّہ

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے واقعات زندگی کے سلسلہ میں خلفائے بنو امیّہ کے جو مثالب ضمنی طور پر آ گئے ہیں۔ ان کی بنا پر ان کے محاسن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

قومی عصبیت کا تحفّظ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عرب کی عصبیت، عرب کی سادگی اور عرب کے شعار کو قائم رکھا، اس بنا پر ان کا نظامِ حکومت ڈپلومیسی یعنی محادعات سیاسیہ سے بالکل ناآشنا رہا اور اس کی تمام تر بنیاد قوت، بسالت اور شجاعت پر قائم رہی۔ اس کے بخلاف دولت عباسیہ بالکل عجمی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خلفاء تو بے شبہ عربی النسل تھے۔ لیکن خلافت کے چلانے والے تمام تر عجمی تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خلافت نے قوت کے سرمایہ کو بالکل کھو دیا اور اس کی بنیاد تمام تر حیل سیاسیہ پر قائم ہو گئی۔ چنانچہ آداب السلطانیہ میں اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ لکھی ہے[1]

واعلم ان الدولة العباسية	دولت عباسیہ ایک پُر فریب
کانت دولة ذات خدع	اور حیلہ باز سلطنت تھی۔ اس
ودھاء وغدر وکان قسم	میں بہ نسبت قوت کے مکر و فریب
التحیل والمخادعة فیھا	کا عنصر زیادہ غالب تھا۔

---

[1] حضرت الاستاد علامہ شبلی مرحوم نے اپنے رسالہ الانتقاد میں جو کچھ مآثر بنو امیّہ پر لکھا ہے وہ اس مضمون میں لے لیا گیا

Marfat.com

او فر من قسم القوة	بالخصوص اس کے آخری زمانہ
والشدة خصوصاً فی اواخرھافان	میں پچھلے خلفا نے توقوت و
المتاخرین منھم ابطلوا القوة والشدة	شجاعت کو بالکل کھو دیا۔ اور
والنجدة ورکنوا الی الحیل والخدع[1]	مکروفریب کی طرف مائل ہوگئے۔

کثرتِ فتوحات اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اموی دور میں فتوحات کو جس قدر وسعت ہوئی، تاریخ اسلام میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ خلافت راشدہ میں اگرچہ اسلام کی فتوحات کا دائرہ بہت کچھ وسعت پذیر ہو چکا تھا۔ تاہم مجاہدین کا قدم حدود عرب، دیار شام اور مصر و ایران سے آگے نہ بڑھ سکا تھا، لیکن بنو امیہ کے دورِ حکومت میں طرابلس، طنجہ، اندلس، چین، ہند، روم، قسطنطنیہ، عراق، تیونس، مراکش، خراسان، فارس، توران، طبرستان، جرجان، سجستان، افغانستان سبھی اسلام کے زیر نگیں ہوئے اور مشرق ومغرب، جنوب وشمال غرض دنیا کے ہر حصے میں اسلام کا پرچم لہرایا۔

خلفائے بنو امیہ میں اس حیثیت سے ولید کا زمانہ خصوصیت کے ساتھ ایک یادگار زمانہ خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔

ولکنہ اقام الجھاد	لیکن اس نے اپنے زمانہ میں
فی ایامہ وفتحت فی خلافتہ	جہاد قائم کیا اور اس کی خلافت
فتوحات عظیمة[2]	میں بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں۔

یہ جنگی طاقت اسی ساز وسامان کے ساتھ ہشام کے زمانے تک قائم رہی۔ چنانچہ مسعودی نے اس کے حالات میں لکھا ہے:

واستجاد الکسی والفرش	اس نے عمدہ لباس، عمدہ فرش
وعدد الحرب ولامتھا	اور عمدہ آلات حرب تیار کرائے

---

[1] آداب السلطانیہ ص ۱۳۲۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴۔

Marfat.com

واصطنع الرجال وقوى الثغور[1] | فوجی کام کے لیے سپاہی تیار کئے اور سرحد کو مضبوط کیا۔

باقاعدہ طور پر بحری جنگ کا آغاز بھی بنوامیہ ہی کے زمانہ میں ہوا۔ انہی کے زمانہ میں اس نے وسعت حاصل کی۔ انہی کے زمانے میں سواحل کی قلعہ بندی ہوئی اور انہی کے زمانہ میں جہاز سازی کے کارخانے قائم ہوئے۔

انتظاماتِ ملکی لیکن فتح بجائے خود کوئی ایسا قابلِ فخر کارنامہ نہیں ہے، بلکہ فتوحات کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ مفتوحہ ممالک میں کیا کیا انتظامات کئے گئے۔ رعایا کی بہبود، زراعت کی شادابی اور رفاہِ عام کے متعلق کیا کیا خدمات انجام دی گئیں اور ملک کی آبادی پر فاتح کا کیا اثر پڑا؟ لیکن بنوامیہ کا دورِ حکومت اس حیثیت سے بھی ایک مہذب دورِ حکومت کہا جا سکتا ہے۔

زمین کی پیمائش زمین کی پیمائش سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطابؓ نے کرائی تھی، ان کے بعد کسی خلیفہ نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ یزید بن عبدالملک پہلا شخص ہے جس نے اس کی طرف توجہ کی اور عمر بن ہبیرہ کو عراق کے بندوبست کے لیے لکھا[2] تاہم علامہ یعقوبی کی تصریح کے موافق اس سے خراج میں کوئی تخفیف اور آسانی پیدا نہیں ہوئی۔ تاہم اس سے ملکی انتظامات کی باقاعدگی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

زرعی نہریں حضرت امیر معاویہؓ نے ذرائع آبپاشی کو نہایت ترقی دی اور ان کو اس کا خاص اہتمام تھا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفاء میں ہے۔

کان بالمدینۃ الشریفۃ	مدینہ شریف اور اس کے اطراف
وما حولها عیون کثیرۃ وکان	میں بہت سی نہریں جاری تھیں
لمعاویۃ اهتمام بهذا الباب[3]	اور امیر معاویہؓ کو اس کا خاص اہتمام تھا

---

[1] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب جلد ۳ ص ۲۱۔ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۶۔ [3] خلاصۃ الوفاء ص ۲۲۷۔

حضرت امیر معاویہؓ نے جو نہریں جاری کرائیں ان میں نہر کظامہ، نہر ازرق اور نہر شہداء وغیرہ
کا نام وفاء الوفاء اور خلاصۃ الوفاء میں مذکور ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے پہاڑوں کی بعض گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر ان کو بھی تالاب کی
صورت میں بدل دیا تھا جس میں پانی جمع ہوتا تھا[1] اور ان سے زراعت کی پیداوار کو جو ترقی ہوئی
اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان نہروں کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک
لاکھ وسق گیہوں کی پیداوار ہوتی تھی۔

پانی پینے کے چشمے خلفائے بنو امیہ نے زرعی نہروں کے علاوہ اور بہت سے چشمے
جاری کرائے جس سے رعایا کو شور پانی کے بجائے آبِ شیریں میسر ہو۔ سلیمان بن عبد الملک
نے مکہ میں آبِ شیریں کا ایک چشمہ جاری کرایا جس کا پانی سیسہ کی نالی کے ذریعہ سے مسجد حرام
تک پہنچتا تھا۔ پھر ایک فوارے کے ذریعہ سے ایک سنگی حوض میں گرتا تھا۔ جو رکن اسود
اور زمزم کے درمیان تیار کرایا گیا تھا۔

یہ حوض بنو امیہ کے اخیر زمانے تک قائم رہا۔ لیکن جب بنو ہاشم کا دورِ حکومت آیا
تو داؤد بن علی نے اس کو منہدم کرا دیا[2]۔ ہشام نے بھی مکہ کے راستوں میں متعدد حوض و تالاب
تیار کرائے تھے لیکن وہ بھی دولت عباسیہ کے آغاز میں داؤد بن علی کے ہاتھوں برباد ہوئے[3]۔
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے عباسیہ نے کس بے دردی کے ساتھ بنو امیہ کی یادگاروں کو
مٹایا۔ مکہ کے بعد پانی کی ضرورت سب سے زیادہ بصرہ والوں کو تھی اور خلفائے بنو امیہ نے
نہایت اہتمام کے ساتھ اس ضرورت کو پورا کیا۔ چنانچہ ایک بار بصرہ کے لوگوں نے یزید کے
عامل کے پاس آبِ شیریں کی ضرورت ظاہر کی تو اس کی اطلاع دینے پر یزید نے اس کو
ایک نہر کھدوانے کا حکم دیا اور لکھا کہ "اگر عراق کا کل خراج اس پر صرف ہو جائے تب بھی
خرچ کرنے سے دریغ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایک نہر کھدوائی جس کا نام نہر عمر ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲ ص ۳۲۱۔ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۳۵۲۔ [3] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب ج ۳ ص ۲۱۔

Marfat.com

بنو امیہ کے عمال نے بصرہ میں اور بھی بہ کثرت نہریں کھدوائیں جن کے نام فتوح البلدان میں قدم قدم پہ ملتے ہیں۔

راستوں کی ہمواری | عرب ایک سنگستانی مقام ہے جہاں کے راستے نہایت دشوار گزار ہیں۔ ولید نے رفاہ عام کے جہاں بہت سے کام کئے۔ انہی سلسلہ میں اس نے عرب کے تمام راستے ہموار کرائے اور ان میں کنویں کھدوائے[1]

انطاکیہ اور مصیصہ کے درمیان جو راستہ تھا وہ موذی جانوروں کی وجہ سے غیر مامون تھا۔ ولید نے اس خطرے کے انسداد کے لیے چار ہزار بھینسے بھیجے جن سے درندوں کا خطرہ بہت کم ہو گیا۔ اسی طرح اس نے اور بھی بعض جنگل کٹوائے جن سے لوگوں کو درندوں کے خطرے سے نجات ملی۔

شفاخانہ | رفاہ عام کے کاموں میں ولید پہلا فرماں روا ہے جس نے شفاخانے کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ مورخ یعقوبی لکھتا ہے:

وکان اوّل من عمل البیمارستان للمرضی[2]	ولید پہلا شخص ہے جس نے مریضوں کے لیے شفاخانہ بنایا۔

مہمان خانہ | مسافروں کے لیے سب سے پہلے حضرت عمر بن الخطابؓ نے مہمان خانہ تعمیر کروایا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان کی تقلید کی اور ولید نے بھی اس سنت راشدہ کو قائم رکھا اور ایک مہمان خانہ تعمیر کروایا۔[3]

فقرا، بیکس اور اپاہج لوگوں کے وظائف | ہمارے مؤرخین ولید کے جبر و تشدّد کے جہاں شاکی ہیں۔ اس کے ساتھ وہ اس کے اس لطف و کرم کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اس نے جذامیوں، اندھوں اور فقیروں کے وظائف جاری کیے اور یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لیے معلّمین کا تقرر کیا۔ ہر اندھے کے لیے ایک آدمی متعین کیا جو اس کو راستہ دکھاتا تھا۔

---

[1] ابن اثیر حوادث ۸۸ھ۔ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۳۴۸۔ [3] ایضاً ص ۳۳۸۔

اپاہج کو ایک خادم دیا جو اس کی ضروریات کو پورا کرتا تھا[1]۔ ولید کے بعد خلفائے بنو امیہ میں ولید بن یزید بن عبد الملک نے بھی اس کی تقلید کی۔ چنانچہ علامہ ابوالفرج نے اس کے حال میں لکھا ہے:

فلما ولی الولید اجری علی زمنی اھل الشام وعمیانھم وکساھم[2]	جب ولید خلیفہ ہوا تو اس نے شام کے اپاہجوں اور اندھوں کے وظائف مقرر کیے اور ان کو کپڑے دیئے۔

٭ ٭ ٭

عمارات اسلام میں فن تعمیر کی ترقی بنو امیہ کے عہد میں ہوئی اور امیر معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے شاندار عمارتیں بنوائیں۔ چنانچہ تاریخ یعقوبی میں لکھا ہے:

بنی وشید البناء[3]	انھوں نے عمارتیں بنوائیں اور شاندار بنوائیں۔

امیر معاویہؓ کے بعد ولید بن عبد الملک نے صیغۂ تعمیر کو اس قدر ترقی دی کہ تاریخِ اسلام میں اس کا دورِ حکومت اس حیثیت سے ممتاز خیال کیا جاتا ہے۔ آداب السلطانیہ میں ہے:

وکان شدید الکلف بالعمارات والابنیۃ واتخاذ المصانع والضیاع وکان الناس یلتقون فی زمانہ فیسئل بعضھم بعضا عن الابنیۃ والعمارات[4]	اس کو عمارات اور جہاز سازی کے کارخانے وغیرہ بنانے کا نہایت ذوق تھا۔ یہاں تک کہ اس کے زمانے میں جب لوگ باہم ملتے تھے تو صرف عمارات کا تذکرہ کرتے تھے۔

ولید نے جو عمارتیں تعمیر کروائیں۔ ان میں جامع مسجد دمشق، مسجد دمشق، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ تمدن اسلام کے چہرے کا آب و رنگ ہیں۔ عمارات کے علاوہ خلفائے بنو امیہ نے ملک کے اطراف

---

[1] تاریخ الخلفا ص ۲۴۴ و یعقوبی ج ۲ ص ۳۴۸۔ [2] مختصر الدول ص ۲۰۳۔ [3] یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۶۔ [4] آداب السلطانیہ ص ۱۱۴۔

Marfat.com

میں نہایت کثرت سے شہر آباد کرائے۔ حجاج نے کوفہ اور بصرہ کے درمیان ایک شہر بسایا جس کا نام واسط رکھا۔ سلیمان بن عبد الملک نے رملہ کو آباد کیا اور اس میں محل، مسجد، کنویں اور تالاب تیار کرائے۔ عقبہ بن نافع نے افریقیہ میں قیروان کو آباد کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اور بھی بکثرت شہر آباد کرائے جن کی تفصیل اس موقع پر نہیں کی جاسکتی۔

اولیات | بنو اُمیّہ کے ترقی پذیر دورِ حکومت کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انھوں نے مختلف قسم کے جدید انتظامات کیے جن کی تفصیل یہ ہے:

ڈاک کا انتظام | حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے سے پہلے ڈاک کا کوئی انتظام نہ تھا۔ جس کی وجہ سے فوجی اور ملکی خبریں سرعت کے ساتھ نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اس غرض سے مختلف مقامات پر تیز رو گھوڑے مقرر کیے جن کے ذریعہ سے خبر رسانی میں نہایت آسانیاں پیدا ہوگئیں۔ عربی میں اس صیغہ کا نام برید ہے اور لغت میں برید کا اطلاق ۱۲ میل کی مسافت پر ہوتا ہے۔ علامہ فخری نے لکھا ہے کہ غالباً بارہ میل پر گھوڑے مقرر کئے گئے ہوں گے اسی لیے اس صیغہ کا نام بریدہ رکھا۔

دیوان الخاتم | حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے سے پہلے خلفاء جو احکام صادر کرتے تھے وہ بالکل بے ضابطہ ہوتے تھے جس کی بناء پر لوگوں کو بددیانتی کا موقع مل سکتا تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں بھی کچھ دنوں یہی طریقہ جاری رہا، لیکن ایک بار انھوں نے ایک شخص کو ایک لاکھ درہم دلوائے اور اس کے لیے زیاد کے نام حکم لکھا وہ فرمان لے کر چلا تو ایک لاکھ کے بجائے دو لاکھ بنادیئے۔ بعد کو جب زیاد نے حساب پیش کیا تو امیر معاویہؓ نے اس کی گرفت کی اور ایک لاکھ مزید رقم اس شخص سے واپس لی۔ اس واقعہ کے بعد ان کو فرامین شاہی کی باضابطگی کی طرف توجہ ہوئی اور انھوں نے ایک خاص محکمہ قائم کیا۔ جس کا نام دیوان الخاتم رکھا اس محکمہ کے قائم ہونے کے بعد جو فرمان صادر ہوتا تھا۔ اس کی باضابطہ نقل لی جاتی تھی۔ اس کی نقل کی جاتی تھی اور اس پر مہر لگائی جاتی تھی جس سے کسی کو اس قسم کی بددیانتی کا موقع نہیں مل سکتا

تھا۔ یہ صیغہ خلافتِ عباسیہ کے وسط زمانہ تک قائم رہا لیکن اس کے بعد توڑ دیا گیا۔[۱]

باضابطہ محکمے اسلام میں باضابطہ محکمے بھی حضرت امیر معاویہؓ ہی کے زمانہ میں قائم ہوتے۔ چنانچہ مورخ یعقوبی نے زیاد کے حال میں لکھا ہے۔

وکان اوّل من دون	زیاد پہلا شخص ہے جس نے محکمے قائم
الدواوین ووضع النسخ	کئے اور کاغذات کی نقلیں لیں اور
لکتب وافراد کتاب	سرکاری کاغذات کے لکھنے کے لیے
الرسائل من العرب	فصیح عرب اور موالی مقرر کیے
والموالی المتفصحین	زیاد کہا کرتا تھا کہ خراج کے محرر عجم
وکان زیاد یقول	کے رؤسا میں سے مقرر کرنے چاہئیں
ینبغی ان یکون کتاب	جو خراج کے معاملات سے واقف
الخراج من رؤساء	ہوتے ہیں اور زیاد پہلا شخص ہے
الاعاجم العالمین	جس نے اپنے عہدہ داروں کی
باموز الخراج ... وکان زیاد اول من بسط	تنخواہیں بڑھائیں اور ان کے لیے
الارزاق علی عماله الفالف درھم۔[۱]	ہزار ہزار درہم مقرر کیے۔

ملکی صیغوں میں عربی زبان کا رواج لیکن ان تمام محکموں میں فارسی زبان رائج تھی۔ لیکن عبدالملک کا دورِ حکومت آیا تو اس نے تمام صیغوں کی زبان عربی کر دی۔[۲] اور یہ پہلا دن تھا کہ عربی زبان کو سرکاری زبان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

عبدالملک نے غالباً عراق اور حدودِ عراق کے محکموں میں یہ اصلاح کی تھی۔ شام کے اطراف میں رومی زبان سرکاری حیثیت سے تمام محکموں میں جاری تھی اور اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا تھا۔ لیکن ولید نے اپنے زمانہ میں اس ناہمواری کو بھی مٹا دیا اور عیسائیوں کو حکم دیا کہ

---

[۱] یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۹ ۔ [۲] آداب السلطانیہ ص ۱۱۰۔

Marfat.com

سرکاری کاغذات رومی زبان میں نہ لکھے جائیں۔ عربی زبان میں لکھے جائیں۔

ٹکسال عبدالملک کے زمانے سے پہلے تمام ممالک اسلامیہ میں رومی سکے جاری تھے عبدالملک پہلا شخص ہے جس کے زمانہ میں ٹکسال قائم کی گئی اور اس میں سکے ڈھالے گئے۔[1]

صنعت پارچہ بافی کی ترقی سلیمان بن عبدالملک نہایت خوش پوشاک اور جامہ زیب تھا۔ وہ خود نہایت باریک، نہایت رنگین اور نہایت منقش کپڑے پہنتا تھا اور اپنے خاندان، اپنے عمال اور اپنے ملازمین تک کو اسی قسم کے کپڑے پہناتا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے زمانے میں ان کپڑوں کا شوق عام ہوگیا۔ اس لیے ان کی صنعت میں غیر معمولی ترقیاں اور ایجادیں ہوئیں، چنانچہ مسعودی لکھتا ہے:

وفی ایامہ عمل الوشی	اور اس کے زمانے میں یمن، کوفہ
الجید بالیمن والکوفۃ	اور اسکندریہ میں رنگین اور عمدہ
والاسکندریۃ ولبس	کپڑے بُنے گئے اور لوگوں نے
النّاس جمیعًا الوشی	ان کپڑوں کے جبے، چادریں،
جبابا وارديۃ وامراويل	پائجامے، عمامے اور ٹوپیاں
وعمائم وقلانس[3]	پہنیں۔

علم و فنون کی ترویج و اشاعت اسلامی علوم و فنون میں کوئی فن ایسا نہیں ہے جس کی ترتیب، تدوین، تہذیب و پرداخت اور ترقی و اشاعت میں خلفائے بنوامیہ کی کوشش کا حصہ شامل نہ ہو۔

قرآن مجید قرآن مجید جو تمام اسلامی علوم و فنون کا سرچشمہ ہے، وہ اگرچہ خلافتِ راشدہ کے زمانے تک مرتب و مدون ہوچکا تھا۔ لیکن اب تک اس میں نقطے اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے۔ عرب کے لیے اس کی قرأت میں کوئی دقت نہ تھی۔ لیکن جب عجمی قومیں اسلام لائیں تو ان کو

---

[1] مختصر الاول ص ۱۹۵۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۱۸۔ [3] مروج الذہب مسعودی بر حاشیہ نفح الطیب ج ۲

قرآن مجید کی قرأت میں دشواریاں پیش آئیں اور عراق میں اس کے متعلق سخت غلطیاں پھیل گئیں۔ حجاج نے فوراً اس کا تدارک کیا اور قرآن مجید میں نقطے لگوائے[1] اس کے بعد بھی غلطیاں ہونے لگیں تو لوگوں نے اعراب لگائے۔

تفسیر بنو اُمیہ ہی کے زمانے میں یہ فن مدّون ہوا اور انہی کے زمانے میں بڑے بڑے مفسّرین پیدا ہوئے۔ تفسیر کی پہلی کتاب جو سعید بن جبیر نے لکھی وہ عبد الملک کے حکم سے لکھی گئی[2]

حدیث علم حدیث کی تدوین و تالیف کا شرف بھی بنو اُمیہ کو حاصل ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے کارنامہائے زندگی میں گزر چکی ہے۔

اصولِ لغت اصولِ لغت کی تدوین بھی بنو اُمیہ کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ چنانچہ ابوالاسود دولی نے زیاد بن ابیہ سے اصولِ نحو کے مرتّب کرنے کی اجازت چاہی۔ اس نے پہلے تو انکار کیا لیکن بعد کو اجازت دے دی[3]

تاریخ فن تاریخ کی تدوین و ترتیب بھی بنو اُمیہ کے دورِ حکومت میں ہوئی اور سب سے پہلے انہی کے زمانے میں تاریخی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ ایک طرف تو فن سیر و مغازی کے بڑے بڑے علماء مثلاً وہب بن منبہ، محمد بن مسلم الزہری، موسیٰ بن عقبہ اور عوانہ جو اس فن کے متعلق کتابوں کی تدوین و تالیف میں مصروف تھے، انہی کے زمانے میں تھے۔ دوسری طرف خلفائے بنو اُمیہ کو فنِ تاریخ کے ساتھ خود نہایت شغف تھا۔ علّامہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ ہمیشہ عشاء کے بعد پہلے وزراء سے مشورہ کرتے تھے، پھر تاریخی واقعات سنتے، جب رات کا ثلث حصّہ گزر جاتا تو سو جاتے پھر اٹھتے اور دوبارہ یہی مشغلہ شروع ہو جاتا۔ متعدد لڑکے تاریخی کتابیں لے کر آتے اور ان کو پڑھ پڑھ کر سناتے تھے[4] جب اس پر بھی قناعت نہ ہوئی تو صنعائے یمن سے ایک عالم کو جس کا نام عبید بن شریہ تھا بلایا اور اس سے بہت سے تاریخی واقعات سنے اور ان واقعات کو ایک کتاب کی صورت

---

[1] ابن خلکان تذکرۂ حجاج۔ [2] میزان الاعتدال ذہبی تذکرہ عطاء بن دینار۔ [3] ابن خلکان ج اوّل ص ۲۴۰۔ [4] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ نفح الطیب ج ۲ ص ۲۷۴

میں جمع کرنے کا حکم دیا جو عبید بن شریہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے[1]

ہشام کے شوق و ایماء سے عربی لٹریچر میں اور بھی متعدد تاریخی تصنیفات کا اضافہ ہوا چنانچہ جبلہ نے اس کے لیے ایران کی بعض تاریخی کتابوں کا ترجمہ فارسی سے عربی میں کیا۔ ہشام نے ایک اور کتاب تاریخ ملوک الفرس کا ترجمہ کرایا۔ جس میں ایرانی سلطنت کے قوانین اور شاہانِ ایران کے حالات تھے[2]

یونانی علوم وفنون کے تراجم یونانی علوم وفنون کے ترجمہ کی ابتدا بھی بنو اُمیّہ ہی کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ چنانچہ ابن اثال نے حضرت امیر معاویہؓ کے لیے یونانی زبان سے طب کی متعدد کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا اور یہ پہلا ترجمہ تھا جو اسلام کے دورِ حکومت میں کیا گیا۔

مروان بن حکم کے زمانے میں ماسرجویہ نے عربی زبان میں ایک طبی کتاب کا ترجمہ کیا تھا۔ یہی کتاب تھی جس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شاہی کتب خانے میں پایا اور ممالکِ محروسہ میں اس کے مختلف نسخے تقسیم کیے[3]

خاندان بنو اُمیّہ میں خالد بن یزید بن معاویہ ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس کو حکیم آلِ مروان کا لقب دیا گیا۔ وہ پہلے خلافت کے دعویداروں میں تھا۔ لیکن جب اس کو ناکامی ہوئی تو اس نے علم کیمیا کی طرف توجہ کی اور مریانس نامی ایک رومی راہب سے اس کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے ساتھ یونان کے جو فلسفی مصر میں رہتے تھے اور عربی زبان کے ماہر تھے۔ ان کی ایک جماعت کو بلایا اور ان کے ذریعہ سے عربی زبان میں فن کیمیا کی متعدد یونانی اور قبطی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ خالد نے طب اور کیمیا میں جیسا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے خود بھی متعدد رسالے لکھے[4] ہشام کے زمانے میں ایرانی تاریخ کے علاوہ بعض یونانی کتابوں کا ترجمہ بھی ہوا چنانچہ سالم نے ارسطو کے ان رسالوں کا ترجمہ کیا جو اس نے سکندر کے لیے لکھے تھے[5]

---

[1] کتاب الفہرست ص ۱۳۲۔ [2] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۱۰۶۔ [3] مختصر الدول ص ۱۹۲۔ اخبار الحکماء تذکرہ ماسرجویہ۔ [4] کتاب الفہرست ص ۳۴۸ و ص ۴۹۹ ابن خلکان جلد اول ص ۱۶۸۔ [5] ایضاً

خلفائے بنو امیہ نے اندلس میں بھی اپنے اوّلیت کے شرف کو قائم رکھا۔ چنانچہ انہی کے زمانے سے اہلِ اندلس کو یونانی علوم و فنون کی طرف توجہ ہوئی[1] اور انہی کے زمانے میں وہاں عقلیات کے اکابر علماء پیدا ہوئے۔

اندلس کے اس جدید علمی دور کا آغاز تیسری صدی کے وسط سے ہوا اور چوتھی صدی کے وسط تک اس نے آہستہ آہستہ ترقی کی[2] لیکن اس کے بعد امیر الحکم المستنصر باللہ بن عبد الرحمٰن الناصر الدین اللہ نے عقلی علوم و فنون کی طرف غیر معمولی توجہ کی اور مصر و بغداد سے ان علوم کی کتابیں منگوا کر اس کثرت سے جمع کیں کہ خلفائے عباسیہ کا دورِ حکومت اپنے علمی ساز و سامان کے ساتھ لوگوں کی نگاہ کے سامنے آگیا۔ چنانچہ علامہ ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں:

واستجلب من بغداد ومصر و	اس نے بغداد، مصر اور ان کے
غیرھما من دیار المشرق عیون	علاوہ دیارِ مشرق سے علوم قدیمہ و
التوالیف الجلیلة والمصنفات	جدیدہ کی نہایت عمدہ کتابیں منگوائیں
الغریبة فی العلوم القدیمة	اور ان کو اپنے باپ کی بقیہ زندگی
والحدیثة وجمع منھا فی بقیة	کے زمانے میں پھر اس کے بعد اپنے
ایام ابیہ ثم فی مدة ملکہ من	دورِ حکومت میں اس طرح جمع کیا
بعدھا ما کاد یضاھی ما جمعة	جو خلفائے عباسیہ کے اس علمی سرمایہ
ملوک بنی العباس فی	کی ہمسری کرنے لگا جو انھوں نے ایک
الازمان الطویلة	طویل زمانے میں جمع کیا تھا اور اس
وتھیاء لہ ذلک لفرط	کی یہ سرگرمی صرف اس لیے تھی کہ اس
محبة العلم وبعد ھمتہ فی	کو علم سے محبت تھی۔ کسبِ کمالات
اکتساب الفضائل وسمو	میں نہایت بلند ہمت تھا اور ان

[1] طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۶۲۔ [2] ایضاً ص ۶۴۔

Marfat.com

نفسہ الی التشبہ	سلاطین کے مشابہ بننا چاہتا تھا جو
باھل الحکمۃ من	بادشاہ ہونے کے ساتھ حکیم بھی تھے
الملوک فکثر تحرک	اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کے
الناس فی زمانہ	زمانے میں متقدمین کی کتابوں کے
الی قراءۃ کتب الا	پڑھنے کی طرف نہایت شدت سے
وائل و تعلم	توجہ کی اور ان کے مذاہب کی تعلیم
مذاھبھم[1] ۔	حاصل کی۔

تدبیر و سیاست خلفائے بنو امیہ کے جبر و استبداد کے متعلق جو واقعات عام طور پر مشہور ہیں ان کو پڑھ کر عام طور پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ انھوں نے رعایا کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لی تھیں اور اپنے عیش و عشرت کے سامنے رعایا کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے لیکن تاریخ بالکل اس کے خلاف شہادت دیتی ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی نسبت مسعودی مروج الذہب میں لکھتا ہے کہ

"وہ دن اور رات میں پانچ مرتبہ دربار کرتے تھے۔"

"ان اوقات میں ایک وقت صرف استغاثہ کے لیے تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ ان کا غلام مسجد میں ایک کرسی بچھا دیتا تھا۔"

"کرسی پر بیٹھ جاتے تھے اور فوجداری کے مقدمات کی سماعت کرتے تھے۔ ضعیف بدو بچے، عورت اور بیکس لوگ ان کے سامنے آتے اور کہتے کہ ہم پر ظلم کیا گیا ہے، وہ فرماتے کہ ان کی مدد کرو۔ وہ لوگ کہتے کہ ہم لوگ ستائے گئے ہیں۔ وہ کہتے کہ اس کے ساتھ تحقیقات کے لیے آدمی بھیجو۔ وہ لوگ کہتے کہ ہمارے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے، وہ کہتے کہ اس کے معاملے کی تفتیش

---

[1] طبقات الامم ص ۶۶۔

Marfat.com

کرو۔ یہاں تک کہ جب کوئی باقی نہ رہ جاتا تو تخت پر بیٹھتے اور درباری لوگ حسب مراتب حاضر ہوتے جب وہ لوگ اطمینان سے بیٹھ جاتے تو کہتے کہ جو لوگ ہم تک پہنچ نہیں سکتے ان کی ضروریات ہمارے سامنے پیش کرو۔ اب ایک شخص کھڑا ہوکر کہتا کہ فلاں آدمی شہید ہو گیا۔ وہ کہتے کہ اس کے بچوں کا وظیفہ مقرر کرو۔ دوسرا کہتا کہ فلاں شخص بال بچوں کو چھوڑ کر کہیں نکل گیا۔ وہ کہتے کہ ان کی نگرانی کرو۔ ان کو دو۔ ان کی ضروریات پوری کرو اور ان کی خدمت کرو۔ پھر کھانا آتا۔ اسی حالت میں ان کا پیشکار حاضر ہوتا اور کاغذات پڑھتا اور وہ احکام صادر کرتے جاتے۔ یہاں تک کہ تمام اہل حاجت کی ضرورت پوری کر دیتے[۱]

اس کے بعد مسعودی نے امیر معاویہؓ کی تدبیر و سیاست کے متعلق متعدد واقعات نقل کیے ہیں اور ان کے اخیر میں لکھا ہے کہ

"ان کے اخلاق ان کے احسانات اور ان کی فیاضیوں نے لوگوں کو اپنا اس قدر گرویدہ بنا لیا کہ لوگوں نے ان کو اپنے قرابتداروں پر بھی ترجیح دی"[۲]

امیر معاویہؓ کے بعد عبدالملک وغیرہ نے بھی انہی کے اخلاق و عادات اور انہی کے طرز حکومت کی تقلید کرنی چاہی۔ مسعودی کے بیان کے موافق اگرچہ یہ لوگ ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکے[۳] تاہم اس قدر مسلّم ہے کہ

كان عبد الملك بن مروان شديد اليقظة كثير التعاهد لولاته[۴]	عبدالملک بن مروان سخت بیدار مغز تھا اور اپنے عمال کی سخت نگرانی کرتا تھا۔

چنانچہ ایک بار اس کو معلوم ہوا کہ اس کے کسی عامل نے کسی کا ہدیہ قبول کیا ہے تو اس کو طلب

---

[۱] مروج الذہب مسعودی بر حاشیہ نفح الطیب ج دوم ص ۲۴۲، ۲۴۳ [۲] ایضاً ص ۴۳۱ [۳] ایضاً ص ۴۲۵۔

[۴] کتاب البیان والتبیین ج ۲ ص ۱۸۶۔

Marfat.com

کرکے باز پرس کی۔[1]

ولید عبدالملک کا بیٹا تھا اور عبدالملک اپنی اولاد کو ہمیشہ فضل، احسان اور مکارم اخلاق کے اختیار کرنے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ ایک بار اس نے اپنے بیٹوں کو مخاطب کرکے کہا کہ لڑکو! تمھارا خاندان ایک معزز خاندان ہے۔ اس کے شرف کو مال و دولت صرف کرکے محفوظ رکھو۔[2] اسی تربیت کا نتیجہ تھا۔ جس نے ولید کو اہلِ شام کی نگاہوں میں تمام اموی خلیفہ سے زیادہ محبوب بنادیا تھا۔ چنانچہ آداب السلطانیہ میں لکھا ہے کہ

کان الولید من افضل خلفائهم سیرة عند اهل الشام۔	ولید اخلاقی حیثیت سے اہلِ شام کے نزدیک تمام خلفائے بنوامیہ سے اچھا تھا۔

اور اس محبوبیت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس نے جامع دمشق، جامع مدینہ اور مسجد اقصیٰ کو تعمیر کروایا۔ جذامیوں کو وظیفہ دے کر بھیک مانگنے سے محفوظ رکھا۔ ہر اپاہج کے لیے ایک ایک خادم اور ہر اندھے کے لیے ایک ایک راستہ دکھانے والا مقرر کیا۔[3] سلیمان بن عبدالملک کے فخر و مزیت کے لیے صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی نظام حکومت کی بنیاد اسی کے زمانہ میں پڑی۔ لوگوں کے اموال جو غصب کر لیتے گئے تھے اس نے واپس کردیئے جو لوگ ظلماً گرفتار کرکے قید کردیئے گئے تھے اس نے ان کو رہا کر دیا۔[4] نماز کو وقت پر قائم کیا۔ راگ باجے کی ممانعت کردی اور حجاج کے عمال کو یک قلم موقوف کردیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا وزیر مقرر کیا اور ان کے تمام نیک مشورے قبول کیے۔[5]

دفع مطاعن | خلفائے بنو امیہ کے طرزِ حکومت اور آئینِ جہانبانی پر جو اعتراضات ہیں

---

[1] مروج الذہب برحاشیہ نفح الطیب ج دوم ص ۵۳۷۔ [2] مروج الذہب برحاشیہ نفح الطیب جلد دوم ص ۶۰۰ [3] آداب السلطانیہ ص ۱۱۴۔ [4] مختصر الدول ص ۱۹۶۔ [5] تاریخ الخلفاء ص ۲۶۔

Marfat.com

ان کے اجمالی جواب کے لئے ہم عبدالملک بن مروان کی یہ معذرت کافی سمجھتے ہیں۔

"کہاں وہ لوگ جن پر حضرت عمر بن خطابؓ حکومت کرتے تھے اور کہاں اس زمانے کے لوگ؟ میرا خیال ہے کہ بادشاہ کی روش رعایا کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس زمانے میں حضرت عمرؓ کی روش اختیار کرے تو لوگوں کے گھروں میں لوٹ ڈال دی جائے۔ ڈاکے پڑنے لگیں اور باہم جنگ و جدل ہونے لگے۔ اس لیے والی کا فرض ہے کہ وہ روش اختیار کرے جو اس کے زمانے کے لیے موزوں ہو۔[1]" اس لیے خود ان کا کوئی تفصیلی جواب دینا نہیں چاہتے۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۵ تذکرہ عبدالملک بن مروان ص ۱۷۳

Marfat.com

خاتمہ

سلطنتِ بنو اُمیہ کا زوال دعوتِ عباسیہ کی ابتدا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ہوئی اور اس کے ۳۰ سال کے بعد اموی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس لیے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس مبارک عہد کے ۳۰ ہی سال بعد زمانہ نے کیونکر خاندان بنو اُمیہ کا دفتر اُلٹ دیا؟ کیا اس کے اسباب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کے زمانے میں پیدا ہوئے؟ کیا ان کا عادلانہ نظامِ سلطنت اس زمانہ کے لیے موزوں نہ تھا؟ کیا قدیم جبر و اقتدار کے استیصال نے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا ایک شاندار کارنامہ ہے۔ نظامِ حکومت میں ایسا ضعف پیدا کر دیا جس سے حریفانہ طاقتوں نے فائدہ اٹھایا۔

اس بنا پر ہم ان کے سوانح زندگی کے خاتمہ میں سلطنت بنو اُمیہ کے اسباب زوال پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ عرب میں زمانۂ جاہلیت ہی سے اموی اور ہاشمی دو حریفانہ طاقتیں قائم تھیں اور اسلام کے زمانے تک قائم رہیں، لیکن جب تک اہلِ عرب کی قومی طاقت کا رُخ غیر قوموں کی طرف رہا۔ ان میں باہم کسی قسم کا تصادم نہیں ہوا۔ لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں یہ دونوں طاقتیں باہم ٹکرائیں اور یہ پہلا دن تھا جس میں عرب کی خانہ جنگی کی ابتدا ہوئی۔ جس کا آخری نتیجہ حضرت امام حسین علیہ السّلام کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اہلِ عجم جو اپنے فطری خاصہ کی بنا پر ابتدا ہی سے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں

Marfat.com

...رتے رہتے تھے۔ اب ان کی سازشوں کے لیے ایک وسیع میدان ہاتھ آیا اور انھوں نے اہل بیت
...حمایت کے پردے میں اپنے قدیم بغض و حسد کا انتقام لینا چاہا۔ لیکن عبدالملک اور ولید
...ے زمانے تک یہ مخفی طاقت دبی دبی رہی لیکن جب یہ پُر زور شخصیتیں مٹ گئیں تو بنو ہاشم اہل
...م کے سہارے پر اٹھے اور عراق و خراسان میں جو عجمی طاقت کے مرکز تھے اپنے نقبا پھیلا
...یئے اور سنہ ۱۰۲ھ، ۱۰۵ھ، ۱۰۷ھ، ۱۰۹ھ، ۱۱۰ھ میں اپنی گمشدہ طاقت کی واپسی کے لیے خاص
...ور پر کوششیں کیں۔ جو لوگ اس سازش میں مصروف تھے انھوں نے محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت
...تھی۔ سنہ ۱۲۶ھ میں ان کا انتقال ہوا تو وہ ابراہیم امام کو اپنا جانشین کر گئے۔ سنہ ۱۲۷ھ میں ابراہیم امام
...ابو مسلم خراسانی ایک عجیب و غریب شخص ہاتھ آگیا۔ جس کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے قدرتی
...ور پر وہی ذریعہ مل گیا جس سے تحریک کا آغاز ہوا تھا۔ عجمی طاقت کا ظہور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے
...رب کی خانہ جنگی سے ہوا تھا اور ابو مسلم کے زمانے میں اس آگ کے شعلے اور بھی بلند ہو گئے
...ور عرب کے مضری اور قحطانی قبائل میں باہم سخت رشک و منافست قائم ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ نصر بن سیار نے جو قحطانیوں کا مخالف تھا ان کے لیے سرکاری ملازمت کا دروازہ بالکل
بند کر دیا۔ خراسان میں قحطانیوں کا سردار جدیع بن علی کرمانی تھا۔ اس نے نصر کو سمجھایا کہ اس
طرزِ عمل سے سخت شورش ہوگی اور ان سیاہ پوشوں کو (حامیانِ بنو ہاشم نے سیاہ لباس اختیار
کیا تھا، اس لیے ان کو مسودہ کہتے تھے) حملہ کا موقع ملے گا۔ اس پر نصر نے کرمانی کو قید کر دیا۔
لیکن کرمانی اپنے ایک عجمی غلام کے حسنِ تدبیر سے قید خانے سے نکل بھاگا اور ربیعہ اور قبائلِ
یمن کی باہمی حلف و اعانت سے نصر کا مقابلہ کیا اور تقریباً پونے دو برس تک باہم جنگ قائم
رہی۔ اس مدت میں فریقین کی قوت میں جس قدر ضعف آتا گیا اسی قدر ابو مسلم کی طاقت میں
اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ خراسان کے اطراف میں جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ان کی
تعداد کم از کم دو لاکھ تک پہنچ گئی۔ اب ابو مسلم نے نصر کی طاقت توڑنے کے لیے کرمانی کو ملا لیا۔
لیکن جب نصر کو اس کی خبر پہنچی تو اس نے کرمانی کو لکھا کہ ہم دونوں الگ ہو جائیں اور قبیلہ ربیعہ۔

Marfat.com

کے کسی شخص کو سردار بنالیں۔ چونکہ کرمانی نے پہلے ہی مصالحت کے لیے یہ تجویز پیش کی تھی۔ اس لیے اس پر راضی ہوگیا اور رات کو مخفی طور پر ابومسلم کی فوج سے نکل کر نصر کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن نصر نے اس کو دھوکے سے قتل کرادیا۔ اب کرمانی کے لڑکے علی نے ابومسلم کے دامن میں پناہ لی اور اس کی اعانت سے باپ کے خون کا انتقام لینا چاہا۔ ابومسلم نے قحطبہ کو نصر کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا اور نصر نے مجبوراً اطاعت قبول کرلی اور قحطبہ نے اس کو امان دے دی، لیکن وہ ایک رات کو مخفی طور پر اس کی فوج سے نکل بھاگا اور ساوہ میں پہنچ کر چند روز کے بعد مرگیا۔ اب نصر اور کرمانی دونوں فوجیں ابومسلم کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوگئیں اور ابومسلم نے تمام خراسان پر قبضہ کر اس کے بعد جو ممالک رہ گئے وہ نہایت آسانی کے ساتھ مفتوح ہو گئے۔ مروان بن محمد نے جو خاندان بنو امیہ کا آخری تاجدار تھا، بھاگ کر مصر میں پناہ لینی چاہی لیکن بالآخر مقتول ہوا اور اسی کے ساتھ اس شاندار سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔[۱]

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت سے پہلے ہی بنو امیہ کی سلطنت کے زوال کے اسباب پیدا ہوگئے تھے اور وہ آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ عرب کی خانہ جنگی نے ان کو کامل طور پر نشو و نما دے دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت کو ان سے کوئی تعلق نہ تھا۔

---

[۱] یہ تفصیل الاخبار الطوال سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

سلسلۂ دار المصنّفین

سیرت عمرؓ بن عبد العزیز

یعنی

اُموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے مُفصّل
سوانحِ زندگی اور ان کے عہدِ حکومت کے مجددانہ کارنامے

مؤلفہ

مولانا عبد السّلام ندوی

نیشنل بُک فاؤنڈیشن
اسلام آباد
لاہور - راولپنڈی - ملتان - کراچی - سکھر - پشاور - کوئٹہ

Marfat.com